U102217. 17-12-09

Title - HAYAAT HAFIZ.

Creator - Shibli Nemani.

Publisher - Rangeen Press (Delhi).

Date - 1923.

Pages - 57.

Subject - Hafiz Sheerazi - Sawaneh - o - Tanqeed; Tazkira Shoray Farsi - Hafiz Sheerazi.

حیاتِ حافظ

یعنی سوانح عمری خواجہ حافظ شیرازی

مؤلفہ شمس العلما مولینا شبلی نعمانی رح

جس میں

نام و نسب۔ بچپن۔ سن رشد۔ اور شاعری کی شہرت۔ وفات اور اولاد دنیاوی تعلقات۔ کلام پر رائے۔ غزل۔ اساتذہ کا تتبع۔ خواجہ صاحب کی خصوصیات۔ جوشِ بیان۔ بدیع الاسلوبی۔ واردات عشق۔ فلسفہ۔ فلسفہ اخلاق۔ واعظین کی پردہ دری۔ روزمرہ و محاورہ خوشنوائی۔ بندش کی چستی ظرافت وغیرہ
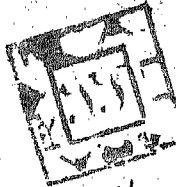
حسب فرمائش

سید ظہور الحسن۔ قومی پریس۔ دہلی۔ چھتہ لال میاں

۱۹۲۳ء

رنگین پریس دہلی میں چھپوا کے شائع کی

۵۰۰

قیمت ۸ر

مختصر فہرست کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

سفرنامہ روم ومصر وشام

مصنفہ مولانا شبلی نعمانیؒ

جس میں علاوہ ان جنگی و دلچسپ واقعات کے جو سلسلہ بیان میں آگئے ہیں قسطنطنیہ بیروت بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید مقامات مشہور عمارات سررشتہ تعلیم دار العلوم اور مدارس بورڈنگ اور طلباء کی تربیت تعلیم نسواں مصنفین اور تصنیفات کتب خانے۔ اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے قیمت عمر

المامون

یعنی نامور فرمان روایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں تمہید ترتیب خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی۔ خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں ان مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے ان تمام کارنامون کی تفصیل ہے۔

قیمت فی جلد عمر

اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی جدید تالیف ہے۔

تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں مولانا کا پایا اظہر من الشمس ہے شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوتے ہیں بھائیوں کا قتل باپ کی گرفتاری تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو الزامات بیان کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ان اعتراض کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں یہ با پست نظر اورنگ خیال افسانہ نویسوں کی ہیں مولینا نے خود اس عہد کے تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور ان کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے قیمت عہ

الفاروق

یعنی سوانحعمری حضرت فاروق اعظمؓ مولفہ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی رح قیمت عہ

الغزالی

یعنی امام محمد الغزالی رح مفصل سوانحعمری مولفہ مولانا شبلی رح قیمت عہ

مقالات شبلی جس میں مولانا شبلی رح کے وہ علمی اور تاریخی مضامین ہیں جو اب تک طبع نہیں ہوئے ہے قیمت عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواجہ حافظ شیراز

تاریخ شاعری کا کوئی واقعہ اس سے زیادہ افسوسناک نہین ہوسکتا کہ خواجہ حافظ کے حالات زندگی اس قدر کم معلوم ہیں کہ تشنگان ذوق کے لب بھی تر نہیں ہوسکتے اس پایہ کا شاعر یورپ مین پیدا ہوا ہوتا تو اس کثرت اور تفصیل سے اس کی سوانح عمریان لکھی جاتین کہ اسکی تصویر کا ایک ایک خد و خال آنکھوں کے سامنے آجاتا، لیکن چاہئے تمام تذکرہ نویسون نے جو کچھ لکھا ان سب کو جمع کردیا جائے، تب بھی انکی زندگی کا کوئی پہلو نمایان ہوکر نہیں نظر آتا، جس قدر تذکرے ہیں سب ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں، اور وہی چند واقعات ہیں جنکو بہ اختلاف الفاظ سب نقل کرتے آتے ہیں، ان سب میں عبد النبی فخر الزمانی نے اپنے تذکرہ میخانہ مین جو جہانگیر کے عہد میں ۱۰۲۸ھ میں لکھا گیا، ابتدائی حالات اوروں کی بہ نسبت اچھے بہم پہنچائے ہیں حبیب السیر میں جستہ جستہ کچھ واقعات ملتے ہیں، خود حافظ کے کلام میں جا بجا واقعات کے اشارے ہین ان سبکو ترتیب دیکر ان کی زندگی کی تصویر کھینچتا ہوں، لیکن در اصل یہ تصویر نہیں بلکہ خاکہ ہے اور زیادہ سچ یہ ہے کہ خاکہ بھی نہیں بلکہ محض چند لکیرین ہین،

نام و نسب | خواجہ صاحب کے دادا، اصفہان کے مضافات کے رہنے والے تھے، اتابکان شیراز کے زمانہ میں شیراز میں آئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی، خواجہ صاحب کے والد کا نام بہاءالدین تھا انھوں نے یہاں تجارت شروع کی اور کاروبار کو اس قدر ترقی دی کہ دولتمندوں میں انکا شمار ہونے لگا، بہاءالدین نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے اُن کو اگرچہ باپ سے بہت بڑا ترکہ ملا تھا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ نہ تھا، چند روز میں باپ کی کمائی سب اُڑ گئی، بیٹے پریشان ہوکر کہیں کے کہیں نکل گئے، لیکن خواجہ صاحب کمسنی کی وجہ سے اپنی ماں کے ساتھ شیراز ہی میں رہ گئے، گھر میں فاقے ہونے لگے تو انکی ماں نے انکو محلہ کے ایک آدمی کے حوالہ کردیا کہ اپنی خدمت میں رکھے، اور کھانے پینے کی کفالت کرے، لیکن یہ شخص بداطوار تھا، خواجہ سن شعور کو پہونچے تو اسکی صحبت ناگوار ہوئی، چنانچہ اس سے قطع تعلق کرکے خمیر بنانے کا پیشہ اختیار کیا، آدھی رات سے اُٹھکر صبح تک خمیر گوندھتے، گھر کے پاس ہی ایک مکتب خانہ تھا، محلے کے سب لڑکے اُسمیں پڑھتے تھے، خواجہ صاحب اکثر اُدھر سے نکلتے، تو دل میں تعلیم کی تحریک پیدا ہوتی، رفتہ رفتہ شوق اس قدر بڑھا کہ مکتب میں داخل ہوگئے، خمیر سے جو کچھ حاصل ہوتا اُس میں سے ایک تہائی ماں کو اور ایک معلّم کو دیتے، بقیہ خیرات کرتے، مکتب میں قرآن مجید حفظ کیا، معمولی سواد خوانی کی بھی لیاقت حاصل کی، اس زمانہ میں شعروشاعری کا گھر گھر چرچا تھا، محلے میں ایک بزاز رہتا تھا، وہ سخن سنج اور موزوں طبع تھا، اس مناسبت سے ارباب ذوق بھی اُسکی دوکان پر آبیٹھتے تھے، اور شعروسخن کے چرچے رہتے تھے، خواجہ صاحب پر بھی اس مجمع کا اثر ہوا، چنانچہ شاعری شروع کی، لیکن طبیعت موزوں نہ تھی، بے تکے شعر کہتے اور لوگوں کو تفریح طبع کا سامان ہاتھ آتا، رفتہ رفتہ اُن کی یاوہ گوئی کی شہرت تمام شہر میں پھیل گئی، لوگ تفریح کے لیئے اُن کو صحبتوں میں بلاتے اور لطف اُٹھاتے، دو سال تک یہی حالت رہی لوگوں کا استہزا حد سے بڑھا تو ان کو بھی احساس ہوا، ایک دن نہایت رنجیدہ ہوئے اور باباکوہی کے مزار پر جاکر پھوٹ پھوٹ کر روئے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جا اب تجھپر تمام علوم کے دروازے کھل گئے، نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جناب امیر علیہ السلام ہیں، صبح کو اُٹھے تو یہ غزل لکھی،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

شہر میں آئے تو لوگوں نے حسب معمول شعر پڑھنے کی فرمایش کی، اُنھوں نے وہی غزل پڑھی سب کو حیرت ہوئی اور سمجھے کہ کسی سے یہ غزل لکھوالی ہے، امتحان کے لئے طرح دی، اُنھوں نے طرح میں بھی عمدہ غزل لکھی، اُسی وقت گھر گھر چرچا پھیل گیا،

یہ تمام واقعات عبدالنبی نے میخانہ میں لکھے ہیں، اسمیں اگرچہ خوش اعتقادی اور وہم پرستی نے بعض باتیں بڑھا دی ہیں یا اصل واقعات کی صورت بدل دی ہے تاہم بہت کچھ اصل واقعات بھی ہیں

خواجہ صاحب کے کمالات اور شاعری کا چرچا عام ہوا، دور دور سے سلاطین اور امرا نے اُن کے بلانے کے لئے خطوط بھیجے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں شیراز میں متعدد حکومتیں قائم ہوئیں اور حسن اتفاق یہ کہ فرمان روا عموماً خود صاحب علم و فضل اور علما اور شعرا کے نہایت قدردان تھے

غازان خان (چنگیز خان کا پوتا) کے زمانہ میں غازان خان کی طرف سے محمد شاہ انجو، فارس اور شیراز کا حکمران مقرر ہو کر آیا تھا، اسکے خاندان میں سے شاہ ابو اسحاق خواجہ حافظ کے زمانہ میں تھا، وہ نہایت قابل اور فاضل تھا، خود شاعر اور شعرا کا مربی اور قدردان تھا، مگر اس کے ساتھ نہایت عیش پرور اور لہو لعب کا دلدادہ تھا، اس بنا پر گرچہ ملکی انتظامات بے اصول تھے، لیکن گھر گھر عیش و نشاط کے چرچے تھے، اور شیراز باغ ارم بن گیا تھا، خواجہ حافظ کی مستانہ غزلوں میں اس دور کا اثر شامل ہے،

شاہ ابو اسحاق کی عیش پسندی حد سے بڑھ گئی تو ۷۵۴ھ میں محمد مظفر نے اس پر لشکر کشی کی فوجیں شہر پناہ کے دامن میں آگئیں، لیکن ابو اسحاق کو کوئی شخص خبر نہیں کر سکتا تھا، امین الدین نے کہ مقرب خاص تھا، ابو اسحاق سے کہا کہ جوش بہار نے شہر کو چمنستان بنا دیا ہے، حضور ذرا بالاخانہ پر چلکر سیر فرمائیں، ابو اسحاق نے بالاخانہ پر چڑھکر دیکھا تو چاروں طرف فوجیں پھیلی ہوئی ہیں پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ شاہ مظفر کا لشکر ہے مسکرا کر کہا عجب احمق ہے، اس بہار میں یوں اوقات خراب کرتا ہے یہ شعر پڑھکر نیچے اُتر آیا۔

بیا تا یک امشب تماشا کنیم — چو فردا شود فکر فردا کنیم

غرض مظفر نے شیراز فتح کر لیا، اور شاہ ابو اسحاق قتل کر دیا گیا، خواجہ صاحب کو سخت

رنج ہوا چنانچہ ایک قطعہ لکھا جس میں اس عہد کے تمام ارباب کمال کا تذکرہ کیا،

بہ عہد سلطنت شاہ شیخ ابواسحاق — بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد
نخست بادشہے ہمچو او ولایت بخش — کہ گوے فضل ربود او بہ عدل بخشش و داد
دوم بقیۂ ابدال شیخ امین الدین — کہ بود داخل اقطاب و مجمع اوتاد
سوم چو قاضی عادل اصیل ملت و دین — کہ قاضی بہ ازو آسمان ندارد یاد
دگر چو قاضی فاضل عضد کہ در تصنیف — بنای شرح مواقف بنام شاہ نہاد
دگر کریم چو حاجی قوام دریادل — کہ او بہ جود چو حاتم ہمی صلا در داد
نظیر خویش نہ بگذاشتند و بگذشتند — خدای عز و جل جملہ را بیامرزاد

شاہ ابواسحاق کے مرنے کا صدمہ، خواجہ صاحب کو مدت تک رہا، غزلوں میں بھی بے اختیار ابواسحاق کا نام زبان پر آجاتا ہے،

راستی خاتم فیروزۂ بو اسحاقی — خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ابواسحاق کے بعد محمد بن مظفر مبارز الدین شیراز و فارس کا حکمران ہوا، وہ اصل میں خراسان کا باشندہ تھا، جس زمانہ میں سلطان ابوسعید نے وفات پائی اور طوائف الملوکی شروع ہوئی تو اس نے ۷۴۱ھ میں فوجیں فراہم کرکے آس پاس کے مواضع پر حملہ شروع کیا، سب سے پہلے یزد پر قبضہ کیا، رفتہ رفتہ اسکے حدود حکومت نہایت وسیع ہو گئے،

محمد بن مظفر نہایت متقشف تھا، تخت نشین ہونے کے ساتھ ہر جگہ محتسب مقرر کیے اور تمام میخانے بند کرا دیے، تذکرہ تقی الدین حسینی میں لکھا ہے کہ خواجہ حافظ نے اسی واقعہ پر یہ غزل

اگرچہ بادہ فرح بخش و باد گل بیز است — بہ بانگ چنگ مخور مے کہ محتسب تیز است
در آستین مرقع پیالہ پنہان کن — کہ ہمچو چشم صراحی زمانہ خونریز است
زرنگ بادہ بشوئید خرقہا از اشک — کہ موسم ورع و روزگار پرہیز است

خواجہ صاحب کے دیوان میں یہ غزل ہے جو شراب خانوں کے بند ہونیکا نہایت پر اثر مرثیہ ہے،

بود آیا کہ در میکدہ ہا بکشایند؟ — گرہ از کار فرو بستہ ما بکشایند
گیسوے چنگ ببرید بمرگ مے ناب — تا ہمہ مغبچہ ہا زلف دوتا بکشایند

نامہ تعزیت دختر رز بنویسید | تا حریفان ہمہ خون از مژہ ہا بکشایند
در میخانہ بہ بستند خدایا مپسند | کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند
اگر از بہر دل زاہد خود بین بستند | دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند

یہ غزل اسی زمانہ کی ہے۔

امیر مبارز الدین کا بیٹا شاہ شجاع جس کا ذکر آگے آتا ہے اُسنے بھی اس موقع پر ایک رباعی لکھی اور خوب لکھی

در مجلس دہر ساز مستی پست است | نہ چنگ بہ قانون و نہ دف بر دست است
رندان ہمہ ترک مے پرستی کردند | جز محتسب شہر کہ بے مے مست است

امیر مبارز الدین کے بعد اسکا بیٹا شاہ شجاع فرمان روا ہوا، وہ اس سلسلہ کا سرتاج اور علم اور فن کا پشت و پناہ تھا، وہ علم و فن کی گود میں پلا تھا، سات برس کے سن میں تعلیم شروع کی نو برس میں قرآن مجید حفظ کیا، قاضی عضد سے شرح مفصل وغیرہ پڑھی، حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ کے سننے میں عربی کے چھ سات شعر یاد ہو جاتے تھے، عربی اور فارسی میں اُسکے مکاتبات اہل ادب میں مقبول عام ہیں، علم و فضل کی قدردانی کی وجہ سے اسکا دربار علما و فضلا کا قبلہ حاجات تھا شعر بھی کہتا تھا، تقی الدین حسینی نے اپنے تذکرہ میں بہت سے اشعار لکھے ہیں ایک رباعی یہ ہے،

احوال بدم ز خلق نہان مے کن | واحوال جہان بر دلم آسان می کن
امروز خوشم بدار و فردا با من ❖ | آنچہ از کرم تو مے سزد آن مے کن

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع سے پہلے میخانوں کی جو روک ٹوک تھی شاہ شجاع نے آزادی تجارت کے لحاظ سے اُٹھا دی، خواجہ صاحب کے دیوان میں ایک غزل ہے وہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

غزل یہ ہے،

سحر ز ہاتف غیبم رسیدہ مژدہ بگوش | کہ دور شاہ شجاع است می دلیر بنوش
شد آن، کہ اہل نظر بر کنارہ می رفتند | ہزار گونہ سخن بر دہان، و لب خاموش
بہ بانگ چنگ بگوییم آن حکایتہا | کہ از نہفتن آن دیگ سینہ میزد جوش
رموز مصلحت خویش خسروان دانند | گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ شجاع کی آزاد پسندی نے میخواروں کو بہت آزاد کر دیا تھا، اس بنا پر خواجہ صاحب اس کے بہت ممنون ہیں، اور جو غزلیں شاہ شجاع کی مدح میں لکھی ہیں سب میں اس کا بڑے جوش سے تذکرہ کیا ہے،

قسم بہ حشمت و جاہ و جلال شاہ شجاع — کہ نیست باکم از بہر مال و جاہ و نزاع
بہ بین کہ رقص کنان می رود بہ نالۂ چنگ — کسے کہ اذن نمی داد استماع سماع

ایک اور غزل میں کہتے ہیں،

چنگ در غلغلہ آمد کہ کجا شد منکر — جام در قہقہہ آمد کہ کجا شد مناع
عمر خسرو طلب از نفع جہان می طلبی — کہ وجودے ست عطا بخش و کریم نفاع
مظہر لطف ازل روشنی چشم امل — جامع علم و عمل جان جہان شاہ شجاع

خواجہ صاحب نے اگرچہ جابجا اپنے اشعار میں شاہ شجاع کا نام مداحانہ انداز سے لیا ہے چنانچہ ایک غزل میں فرماتے ہیں

خیال آب خضر بست و جام کے خسرو — بہ جرعہ نوشے سلطان ابوالفوارس شد (شاہ شجاع کی کنیت)

لیکن شاہ شجاع خواجہ صاحب سے صاف نہ تھا، شجاع کے عہد میں خواجہ عماد فقیہہ مشہور عالم تھے، شجاع انکا نہایت معتقد تھا،

خواجہ عماد کی ایک بلّی تھی جسکو انھوں نے اسطرح تعلیم دی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے تو بلّی بھی نماز پڑھنے کے انداز سے جھکتی اور سر اٹھاتی، خواجہ حافظ نے اسی زمانہ میں ایک غزل لکھی،

صوفی بہ جلوہ آمد و آغاز ناز کرد — بنیاد مکر با فلک حقہ باز کرد

اس غزل میں ظرافت سے یا خواجہ عماد کو ریاکار سمجھکر خواجہ صاحب نے یہ شعر لکھا[۱]

ای کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز — غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

غالباً شجاع کی ناراضی کی ابتدا اسی شعر سے ہوئی، رفتہ رفتہ کشیدگی زیادہ بڑھتی گئی ایک دن شجاع نے خواجہ صاحب سے کہا کہ آپکی کوئی غزل یکسان اور ہموار نہیں ہوتی، ایک شعر میں تصوف دوسرے میں مے پرستی، تیسرے میں شاہد بازی، اس طرح ہر شعر میں رنگ بدلتا جاتا ہے،

خواجہ صاحب نے کہا ہان، لیکن ان سب برائیوں کیساتھ بھی میری غزلیں میری زبان سے نکلکر تمام دنیا میں پھیل جاتی ہیں، بخلاف اوروں کے کہ انکا قدم شہر کے دروازے سے بھی باہر نہیں نکلتا،

[۱] حبیب السیر

شجاع کو اس گستاخانہ اور آزادانہ جواب پر اور زیادہ ملال ہوا،

اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں خواجہ صاحب نے ایک اور غزل لکھی جسکا مقطع تھا،

گر مسلمانی ازین است کہ حافظ دارد ۔۔۔ وای اگر در پس امروز بود فردائے

شجاع نے یہ غزل سنی تو اس بہانہ سے کہ اس سے قیامت کا انکار یا کم از کم شبہہ پایا جاتا ہے، خواجہ صاحب کو ستانا چاہا، خواجہ صاحب بہت پریشان ہوئے، حسن اتفاق یہ کہ مولانا زین الدین ابو بکر تا ئبادی حج کو جاتے ہوئے شیراز سے گزرے، خواجہ صاحب نے اُن سے یہ ماجرا بیان کیا انھوں نے صلاح دی کہ مقطع کے اوپر ایک اور شعر لکھدو جس سے مقطع دوسرے کا مقولہ بنجائے، خواجہ صاحب نے فی البدیہہ کہا

دی ز دو بیتم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت ۔۔۔ بادف و بربط و نے ، مغبچہ ترسائے

شاہ شجاع نے ۷۸۶ھ میں انتقال کیا، اسکے بعد شاہ منصور بن محمد مظفر بادشاہ ہوا، وہ بھی بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا، خواجہ صاحب نے اسکی مبارکباد میں غزل لکھی،

بیا کہ رایت منصور بادشاہ رسید ۔۔۔ نوید فتح و ظفر تا بہ مہر و ماہ رسید

منصور کے عین عروج اقبال کا زمانہ تھا کہ تیمور نے شیراز پر حملہ کیا،

منصور اگرچہ نہایت دلیر اور صاحب عزم تھا، لیکن تیمور کی سطوت و عظمت کا غلغلہ تمام عالم میں پڑ چکا تھا، اسلیے چاہا کہ شیراز سے نکلجائے، شہر پناہ کے دروازہ پر پہنچا تو ایک بڑھیا نے کہا کہ ایک مدت تک بادشاہی کر کے رعایا کو مصیبت میں چھوڑ کر کہاں بھاگے جاتے ہو، منصور وہیں سے پلٹا اور صرف دو ہزار فوج سے، تیمور پر حملہ آور ہوا اور پے در پے تیمور کی فوجوں کو شکست دیتا ہوا قلب فوج تک پہنچگیا، تیمور پر تلوار کا وار کیا، قتاری ایتاق نام ایک افسر نے بڑھکر تلوار کو سپر پر روکا چار دفعہ پے در پے تلوار ماری لیکن ہر دفعہ قتاری ایتاق سپر ہوجاتا تھا اور تیمور کو بچالیتا تھا بالآخر فوجوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے منصور کو قتل کر دیا، جسکا خود تیمور کو افسوس رہا، وہ کہا کرتا تھا کہ آجتک سا معرکوں میں کسی کو منصور کا ہمسر نہیں دیکھا،

تیمور نے خواجہ حافظ کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے تمام عالم کو اسلیے ویران کیا کہ سمرقند اور بخارا کو کہ میرا وطن ہے آباد کروں، تم ان کو ایک تل کے عوض میں دیے ڈالتے ہو،

۵! حبیب السیر،

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را — بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے کہا انہی فضول خرچیون کی بدولت تو اس فقر و فاقہ تک نوبت پہنچی ہے،

خواجہ صاحب کی غزلین اب چار دانگ عالم مین پھیل گئیں چنانچہ خود کہتے ہین،

بہ شعر حافظ شیرازی گویند و مے رقصند — سیہ چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

اس زمانہ مین جس قدر سلاطین تھے سب آرزو رکھتے تھے کہ خواجہ صاحب کے کلام سے لطف اٹھائیں، چنانچہ عراق، عرب ہندوستان، ہر جگہ سے شوقیہ خطوط آئے بغداد کا فرمان روا سلطان احمد بن اویس تھا جو تمام کمالات کا مجموعہ تھا، مصوری، زرنگاری، کمان سازی، خاتم بندی وغیرہ ان تمام فنون مین بڑے بڑے صناع اسکی شاگردی کا دم بھرتے تھے، موسیقی مین یہ کمال تھا کہ خواجہ عبد القادر نے اسکی شاگردی اختیار کی اس فن مین اسکی متعدد تصنیفات ہیں جو مدت تک گویون کا دستو العمل رہیں، ان باتون کے ساتھ سخن سنج اور شاعر تھا[1] خواجہ صاحب کو اسنے بار بار بلایا، خواجہ صاحب بھی للچائے، چنانچہ بعض غزلون میں اسکے اشارے بھی ہین لیکن پھر بھی رکنا باد کی خاک دامن نہین چھوڑتی تھی، چنانچہ فرماتے ہین،

نمی دہند اجازت مرا بہ سیر و سفر — نسیم باد مصلّے و آب رکنا باد

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر سلطان احمد کو بھیجی[2]

احمد اللہ علی معدلۃ السلطان — احمد شیخ اویس حسن ایلخانی

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد — آنکہ می زیبد اگر جان جہانش خوانی

از گل فارسیم غنچہ عیشے نہ شگفت — حبذا دجلہ بغداد و مے ریحانی

بر شکن کاکل ترکانہ کہ در طالع تست — دولت خسروی و منصب چنگیز خانی

اگرچہ خواجہ صاحب بغداد جا نہ سکے لیکن شوق کا کانٹا ہمیشہ دل مین کھٹکتا رہا، چنانچہ جابجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں،

رہ نبردیم بہ مقصود خود اندر شیراز — خرم آن روز کہ حافظ رہ بغداد کند

دکن مین سلاطین بہمنیہ کا دور تھا، اور سلطان شاہ محمود بہمنی مسند آرا تھا، وہ نہایت قابل اور صاحب کمال تھا، عربی اور فارسی دونون زبانون مین نہایت فصاحت اور

[1] دولت شاہ، [2] دولت شاہ،

روانی کے ساتھ شعر کہہ سکتا تھا، عام حکم تھا کہ عرب و عجم سے جو شاعر آئے اسکو پہلے قصیدہ پر ایک ہزار تنکہ جو ہزار تولہ سونے کے برابر ہوتے تھے، انعام میں دیے جائیں،

اسکی قدردانیوں کا شہرہ سنکر خواجہ صاحب کو دکن کے سفر کا خیال ہوا، لیکن خیال ہی خیال تھا، یہ خبر میر فضل اللہ کو پہونچی جو محمود کے دربار میں صدارت کے منصب پر ممتاز تھے، انھون نے زادراہ بھیجکر طلبی کا خط لکھا، خواجہ صاحب نے اس روپیے میں سے کچھ بھانجون کی ضروریات میں صرف کیے، کچھ ادائے قرض میں صرف ہوا، جو باقی رہگیا اس سے زادراہ سفر کا سامان کرکے شیراز سے روانہ ہوئے، مقام لار میں پہونچے تو وہاں ایک دوست سے ملاقات ہوئی، جنکا مال اور اسباب حال ہی میں لٹ گیا تھا، خواجہ صاحب نے جو کچھ پاس تھا انکے حوالہ کردیا اور آپ خالی ہاتھ رہگئے اتفاق یہ کہ خواجہ زین الدین ہمدانی اور خواجہ محمد کازرونی جو مشہور تاجر تھے، ہندوستان آرہے تھے انکو یہ حال معلوم ہوا تو خواجہ صاحب کے مصارف کے کفیل ہوئے، لیکن سوداگرون سے ایک نازک مزاج شاعر کی نازبرداریان کہاں انجام پاسکتی ہیں، خواجہ صاحب کو رنج ہوا تاہم صبر کیا اور محمود شاہی جہاز پر جو دکن سے ہرمز کے بندرگاہ میں آیا تھا، اور ہندوستان کو واپس جارہا تھا سوار ہوئے سوء اتفاق یہ کہ جہاز نے لنگر بھی نہیں اٹھایا تھا کہ ہوا کا طوفان اٹھا، خواجہ صاحب فوراً جہاز سے اتر آئے اور یہ غزل لکھکر فضل اللہ کو بھیجی،

دمے باغم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد	بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج است	کلاہ دلکش است اما بدردسر نمی ارزد
بکوئے میفروشانش بجامے در نمی گیرند	زہی سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد
بس آسان می نمود اول غم دریا ببوی در	غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

فضل اللہ نے غزل سلطان محمود بہمنی کی خدمت میں پیش کی اور تمام ماجرا بیان کیا، سلطان نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو دربار کے فضلا میں سے تھے، ایک ہزار تنکہ طلا دیا کہ ہندوستان کے عمدہ مصنوعات خرید کرکے لیجائیں اور خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کرین[1]

سلطان غیاث الدین بن سلطان سکندر فرمانروائے بنگالہ نے بھی جو ۷۶۸ھ میں تخت نشین ہوا تھا، خواجہ صاحب کے کلام سے مستفید ہونا چاہا، چنانچہ طرح کا یہ مصرع بھیجا،

[1] یہ پورا قصہ تاریخ فرشتہ میں ہے

ع ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود

خواجہ صاحب نے یہ غزل لکھکر بھیجی،

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود — وین بحث با ثلاثۂ غسّالہ می رود

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند — زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دین — غافل مشو کہ کار تو از نالہ می رود

خواجہ صاحب نے ۷۹۳ھ میں وفات پائی، خاک مصلّےٰ تاریخ ہے جس میں ایک عدد کی کمی ہے، مصلّےٰ انکا محبوب مقام تھا، اسلئے دفن بھی یہیں ہوئے، سلطان بابر بہادر کے زمانہ میں محمد معمائی نے جو صدارت کی خدمت پر ممتاز تھا، خواجہ صاحب کا مقبرہ بصرف کثیر تیار کرایا جو ابتک قائم ہے، انکے نام کی مناسبت سے اس جگہ کا نام حافظیہ ہوگیا ہے، ہفتہ میں ایک خاص دن مقرر ہے لوگ زیارت کو وہاں جاتے ہیں، وہیں دن بسر کرتے ہیں کھانے پکاتے ہیں، چا پیتے ہیں، کہیں کہیں شراب کا دور بھی چلتا ہے، کوئی رنگین مزاج خواجہ صاحب کے نام کا حصّہ خاک پر گرا دیتا ہے، خواجہ صاحب نے پانچ سو برس پہلے کہدیا تھا

بر سر تربت ما چون گذری ہمّت خواہ، — کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود

آل و اولاد | خواجہ صاحب کی آزادہ مزاجی اور رندی سے قیاس ہوتا ہے کہ بیوی بچوں کے بکھیڑوں سے آزاد ہونگے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ شادی بھی کی تھی اور اولاد بھی تھی، صاحبزادہ کا نام شاہ نعمان تھا وہ ہندوستان میں آئے اور یہیں بہ مقام برہانپور وفات کی انکی قبر قلعہ اسیر کے متصل ہے،[1]

دیوان میں ایک قطعہ ہے،

صباح جمعہ بدو ساد س ربیع اول، — کہ گشت فرقت آن مہ بکشتیم حاصل

بہ سال ہفتصد و شصت و چہار از ہجرت — چہ آب حل بشدم این دقیقۂ مشکل

غالبًا یہ قطعہ بیوی کی وفات میں لکھا ہے، ایک اور قطعہ ہے،

دلا دیدی کہ آن فرزانہ فرزند، — چہ دید اندر خم این طاق رنگین

بجای لوح سیمین در کنارش — فلک بر سر نہادہ لوح سنگین

اگرچہ ممکن ہے کہ یہ قطعہ کسی اور جوانہ مرگ کی شان میں ہو، لیکن زیادہ قیاس یہی ہے کہ خود انہی کا کوئی فرزند تھا جو آغاز عمر میں گزر گیا تھا،

[1] خزانۂ عامرہ بحوالہ مرآۃ الصفا،

خواجہ صاحب کی تحصیل علم اور اُنکے مبلغ کا حال تذکرہ نویسوں نے مطلق نہیں لکھا، میخانہ سے جسکا حوالہ اوپر گذر چکا ہے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ محلہ میں مکتب تھا اسمیں تعلیم پائی تھی، لیکن کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے علوم درسیہ کی تحصیل مستعدانہ کی تھی، اکثر غزلوں میں عربی کے مصرعے جس برجستگی سے لاتے ہیں اس سے اُن کی عربیت کا اندازہ ہوسکتا ہے،

بعض غزلوں میں متعدد شعر خالص عربی میں ہیں اور سلاست و فصاحت میں جواب نہیں رکھتے

الا اے ساربان محمل دوست	الی رکبانکم طال اشتیاقی
درونم خون شد از نادیدن یار	الا نفبا لایا مد الفراق
بیا ساقی بدہ رطل گرانم	سقاک اللہ من کاس دھاق
فہانی الشیب من وصل العذاری	سوی تقبیل خد و اعتناق
سلام اللہ من کرّ اللیالی	علی ملیک المکارم والمعالی
فحبک راحتی فی کل حین	و ذکرک مونسی فی کل حال
سبت سلمیٰ بصدغیہا فوادی	و روحی کل یوم لی تنادی
گر تیغ بارد در کوے آن ماہ	گردن نہادیم الحکم للہ
الصبر مُر والعمر فانِ	یا لیت شعری حتام القاہ

جابجا عربی کے جملے اس خوبصورتی سے پیوند کرتے ہیں کہ گویا انگوٹھی پر نگین جڑ دیا ہے۔

چو ہست آب حیاتت بدست، تشنہ بمیر	فلا تمت و من الماء کل شیٔ حیّ
بخیل بوے خدا نشنود، بیا حافظ	پیالہ گیر و سخن درز و الضمان علیّ

قرآن مجید اور تفسیر کے ساتھ اُن کو خاص لگاؤ تھا، دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ تفسیر کشاف پر حاشیہ بھی لکھا ہے، خود فرماتے ہیں،

ز حافظان جہاں کس چو بندہ جمع نکرد	لطائف حکما با کتاب قرآنی

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب قرآن مجید کی تفسیر میں معقول کو منقول سے تطبیق دیتے تھے فن قرأت میں کمال تھا، اسکے ساتھ خوش آواز تھے، معمول تھا کہ ہمیشہ جمعہ کی رات کو مسجد کے مقصورہ میں تمام رات خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے[1]،

[1] ہفت اقلیم امین رازی۔

قرآن مجید حفظ یاد تھا اور اسی مناسبت سے حافظ تخلص رکھا تھا، قرآن دانی پر انکو ناز تھا چنانچہ اشعار میں جا بجا اسکے اشارے پائے جاتے ہیں،

ندیدم خوشتر از شعر تو حافظ — بہ قرآنے کہ اندر سینہ داری

صبح خیزی و سلامت طلبی چون حافظ — انچہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

تجرد اور آزادی — عام تذکروں کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب دنیاوی تعلقات سے آزاد تھے اور سلاطین و امرا سے بے نیاز رہتے تھے، لیکن خود انکے کلام سے اِسکی تصدیق نہیں ہوتی انکے زمانہ میں شیراز کے جو فرماں روا گذرے، سبکی مدح میں اُنکے قصائد موجود ہیں، اور اُسی شان کے ہیں جو عام مدح گویوں کا انداز ہے۔ شاہ شجاع کی مدح میں نونہ قصیدہ ہی جس میں لکھتے ہیں،

دارای دہر، شاہ شجاع، آفتاب ملک — خاقان کامگار و شہنشاہ نوجوان

حکمش روان چو باد براطراف بحر و بر — مہرش روان چو روح در اعضای انس و جان

بے طلعت تو جان نگراید بہ کالبد — بے نعمت تو مغز نہ بندد در استخوان

سلطان ابواسحاق کی مدح میں بڑے زور کا قصیدہ لکھا ہی، جسکا مطلع یہ ہے،

سپیدہ دم کہ صبا بوی بوستان گیرد — چمن ز لطف ہوا نکتہ بر جنان گیرد

مدح میں لکھتے ہیں،

جمال چہرۂ اسلام شیخ بو اسحاق — کہ ملک در قدمش زیب بوستان گیرد

سلطان محمود کی مدح مثنوی میں لکھی ہی جسکا ذکر آگے آئیگا، منصور کے وزرا میں سے ایک بدبخت نے رائے دی تھی کہ علما و فضلا کے وظیفے جنکی تعداد ۰۰ تومان تھی بند کردیئے جائیں، منصور نے مانا اسپر خواجہ صاحب نے قصیدہ لکھا[1]

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم — یعنی غلام شاہم و سوگند میخورم

منصور بن محمد غازی است حرز من — وز این خجستہ نام برا عدا مظفرم

ای شاہ شیر گیر چہ گردد، اگر شود — در سایۂ تو ملک فراغت میسرم

جا بجا خود اُنکے کلام سے ثابت ہوتا ہی کہ سلاطین اور امرا کے نام مدحیں لکھکر بھیجیں کہ صلہ ہاتھ آئے، چنانچہ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں،

[1] حبیب السیر،

شاہ ہر روزم ندید و بے سخن صد لطف کرد | شاہ دیروزم بدید و مدحش گفتم و ہیچم نداد

کار شاہاں این چنین باشد تو ای حافظ مرنج | داور روزی رساں توفیق و نصرتشان دہاد

ایک اور قطعہ میں لکھتے ہیں،

خسروا! دادگرا! شیر دلا! بحر کفا! | اے کمال تو بہ انواع ہنر ارزانی

در دو سال آنچہ بیندوختم از شاہ و وزیر | ہمہ بربود بہ یکدم فلک چوگانی

غرض یہ بالکل غلط ہے کہ خواجہ صاحب ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے تھے، اور کسب معاش کی کچھ فکر نہ کرتے تھے البتہ فرق یہ ہے کہ انکے تمام معاصرین بلکہ پیشرو نہایت ذلیل اور کمینہ طریقوں سے کام لیتے تھے۔ انوری۔ ظہیر فاریابی، سلمان ساوجی کس پایہ کے لوگ تھے لیکن سب کا یہ حال تھا کہ کسی کی مدح لکھی اور اسنے صلہ کم دیا یا دیر لگائی تو ہجو شروع کر دیتے تھے، اور یہانتک نوبت پہنچاتے تھے کہ تہذیب و شایستگی آنکھیں بند کر لیتی تھی۔ ظہیر وغیرہ کے کلام میں سینکڑوں قطعے اور قصائد ہیں، جنمیں اس درجہ کا گدایانہ ابرام ہے کہ انکو دیکھکر شرم آتی ہے، خواجہ صاحب بھی سلاطین کی مدحیں لکھتے ہیں، صلہ ملا تو بہتر ورنہ یہ کہکر چپ ہو جاتے ہیں کہ تقدیر میں نہ تھا، کبھی کبھی ہلکا سا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ لیکن پیرایہ نہایت لطیف ہوتا ہے۔ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں،

بہ سمع خواجہ رساں ای رفیق وقت شناس | بہ خلوتے کہ دراں اجنبی صبا باشد

لطیفہ بمیان آر و خوش بخندانش | بہ نکتہ کہ دلش را بدان رضا باشد

پس آنگہے ز کرم این قدر بپرس بلطف | کہ گر وظیفہ تقاضا کنم روا باشد

ایک اور قطعہ میں کس لطف سے کنایہ کیا ہے،

دوش در خواب چناں دید خیالم کہ سحر | گذر افتاد بر اصطبل شہم پنہانی،

بستہ بر آخور او استر من جو می خورد | توبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی

ہیچ تعبیر نمی دانمش این خواب کہ چیست | تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

یعنی میں نے کل خواب دیکھا کہ میرا گذر شاہی اصطبل خانے کی طرف ہوا، وہاں میرا خچر جو کھڑا رہا تھا، مجکو دیکھکر اسنے توبڑہ کا رخ میری طرف کر کے جھاڑا، اور کہا کہ کیوں مجکو پہچانتے ہو؟ اس خواب کی مجکو کچھ تعبیر نہیں معلوم ہوتی، آپ بڑے نکتہ فہم ہیں، آپ ہی بتائیں کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟

مطلب یہ کہ گھوڑے کے دانے چارے کا سامان کر دیجے،

معاشرت | انکے اشعار اور جستہ جستہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت سادگی اور آزادی سے بسر کرتے تھے، حافظ قرآن تھے، قرآن مجید کے نکات اور حقائق پر درس دیتے تھے، لیکن باایں ہمہ اظہار تقدس سے نہایت نفرت رکھتے تھے، صاف دل بے تکلف تھے، جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا، کوئی برائی کرتے تو ریاکاری کے پردے میں چھپا کر نہ کرتے، رکنا باد جو ایک چشمہ ہے، شیراز کی مشہور سیرگاہ ہے، اب تو محض ذراسی نہر رہ گئی ہے، خواجہ صاحب کے زمانہ میں وسیع چشمہ ہوگا، اسکے کنارے بیٹھکر عالم آب کا لطف اٹھاتے تھے، دوست احباب جمع ہوتے، ہر قسم کی صحبتیں رہتیں، اکثر اشعار میں مزے لےلیکر اسکا ذکر کرتے ہیں،

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

رکنا باد کے منبع کا نام اللہ اکبر ہے اسکا بھی ذکر جابجا کرتے ہیں،

فرق ست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست — تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

جو ارباب کرم ان سے اچھا سلوک کرتے تھے، اکثر غزلوں میں انکا ذکر احسانمندی کے ساتھ کرتے ہیں، یہ طریقہ انکا خاص انداز ہے،

بخواہ جام صبوحی بہ یاد آصف عہد + — وزیر ملک سلیمان عماد بن محمود +

ع چہ غم دارم چو در عالم قوام الدین حسن دارم،

دریائے اخضر فلک و کشتی ہلال — ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما

مطرب چہ پردہ سازد، شاید اگر بخواند — از طرز شعر حافظ در بزم شاہزادہ

تو بہ این نازکی و سرکشی اے شمع چگل — لائق بزم گہ خواجہ جلال الدینے +

باتو گر زین پس فلک خواری کند — بازگو در حضرت دارا سے کے

خسرو آفاق بخشش کز عطا + — نامۂ حاتم ز نامش گشت طے

از برای صید دل در گردنم زنجیر زلف — چون کمند خسرو مالک رقاب انداختی

نصرۃ الدین شاہ یحیی آنکہ تاج آفتاب — از سر تعظیم و قدرت در تراب انداختی

اے در رخ تو پیدا انوار بادشاہی — در فکرت تو پنہان صد حکمت الٰہی

عمرے ست بادشاہا کز می تہی ست جامم — اینک ز بندہ دعویٰ و ز محتسب گواہی

انصاف پسندی — خواجہ صاحب اگرچہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ اُنکے تمام ہمعصر شعراء غزل گوئی میں اُنکے سامنے ہیچ تھے، تاہم وہ سب کو نہایت ادب سے یاد کرتے ہیں، بلکہ اپنے آپکو اُنکا پیرو کہتے ہیں خواجہ جو کرمانی کی نسبت کہتے ہیں،

اُستاد غزل سعدی ست پیش ہمہ کس اما — دارد غزل حافظ طرز در وش خواجہ

فخر کے جوش میں آکر کہتے ہیں،

چہ جائے گفتہ خواجو و شعر سلمان ست — کہ شعر حافظ شیراز بہ ز شعر ظہیر

لیکن انصاف سے دیکھو تو یہ اُنکے لئے ننگ ہے، ظہیر کو غزل میں اُن سے کیا نسبت؟

اس زمانہ میں کمال خجند مشہور شاعر اور صاحب کمال تھے، خواجہ صاحب سے انسے بہت راہ و رسم تھی وہ خواجہ صاحب کی غزلیں منگوایا کرتے اور اپنا کلام اُنکو بھیجتے،

ایک دفعہ انہی یہ غزل بھیجی،

گفت یار از غیر با پوشان نظر گفتم بہ چشم — وانگہے دزدیدہ در ما می نگر گفتم بہ چشم

غزل میں یہ شعر بھی تھا۔

گفت اگر سر در بیابان غمم خواہی نہاد — تشنگان را شربۂ از آب بر گفتم بہ چشم

خواجہ صاحب اس شعر پر پہونچے، تو اُنپر حالت طاری ہوئی، افاقہ کے بعد کہا کہ واقعی اس شخص کا پایہ بہت بلند ہے[1]

کلام — تذکرہ میخانہ میں لکھا ہے کہ خواجہ صاحب کا دیوان صرف دو برس میں تیار ہوا لیکن یہ قطعاً غلط ہے خلاف قیاس ہونیکے علاوہ وہ غزلوں میں جا بجا جن لوگوں کے نام آتے ہیں اُنکے زمانوں میں برسونکا آگا پیچھا ہے، خواجہ صاحب کی شہرت اگرچہ صرف غزل میں ہے لیکن اُنھوں نے قصائد اور مثنویاں بھی لکھی ہیں اور گو وہ تعداد میں کم ہیں، لیکن اُنسے اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری کے تمام اصناف پر اُنکو قدرت حاصل تھی، عام خیال ہے کہ جو لوگ غزل اچھی لکھتے ہیں قصیدہ اور مثنوی اچھی نہیں لکھتے، لیکن خواجہ صاحب کے قصیدے بھی کچھ کم نہیں، اور مثنوی میں تو وہ صفائی لطافت اور زور ہے کہ نظامی اور سعدی کا دھوکہ ہوتا ہے،

سمر قند دارد دگر روزگارہا — من و مستی و فتنۂ چشم یار

فریب جہان قصہ روشن ست — بہ بین تا چہ زاید شب آبستن ست

[1] دولت شاہ تذکرہ کمال خجند۔

همان مرحلہ است این بیابان دور　　کہ گم شد درو لشکر سلم و تور

همان منزل است این جہان خراب　　کہ دید است ایوان افراسیاب

چہ خوش گفت جمشید با تاج و گنج　　کہ یک جو نیرزد سرائے سپنج

مغنی کجائی بہ گلبانگ رود　　بہ یاد آور آن خسروانی سرود

مغنی بزن چنگ بر ارغنون　　ببر از دلم فکر دنیای دون

چنان برکش آہنگ این داورے　　کہ ناہید چنگی برقص آورے

مغنی دف و چنگ را ساز دہ　　بہ یاران خوش نغمہ آواز دہ

مغنی کجائی نوائے بزن　　بہ یکتائی او دوتائے بزن

بیا ساقی این نکتہ بشنو زنے　　کہ یک جرعہ مے بہ ز دیہیم کے

بیا ساقی آن آب اندیشہ سوز　　کہ گر شیر نوشد شود بیشہ سوز

بیا ساقی آن آتش تابناک　　کہ زردشت می جویدش زیر خاک

بدہ تا بگویدز آواز نے +　　کہ جمشید کے بود و کاؤس کے

مے دہ کہ بدنام خواہم شدن　　خراب مے و جام خواہم شدن

بیا ساقیا مے کہ تا دم زنیم　　قلم بر سر ہر دو عالم زنیم +

سبک باش و رطل گرانم بدہ　　وگر فاش نتوان نہانم بدہ

کہ این چرخ و این انجم و آبنوس　　بسے یاد دارد ز بہرام و طوس

بدہ ساقی آن آب افسردہ را　　بیا زندہ ساز این دل مردہ را

کہ ہر پارہ خشتے کہ بر منظری است　　سر کیقبادے و اسکندری است

ہر آن گل کہ در گلستانی بود +　　ہمہ عارض دلستانی بود +

ہر آن شاخ سروے کہ در گلشنے است　　قد دلبر و زلف سیمین تنے است

خواجہ صاحب اگرچہ قصیدہ اور مثنوی میں بھی اساتذہ سے پیچھے نہیں، لیکن انکا اصلی اعجاز غزل گوئی ہی ہے عموماً مسلم ہے کہ عالم وجود میں آجتک کوئی شخص غزل میں انکا ہمسر نہو سکا، متوسطین و متاخرین غزل کے بزم آرا ہیں، لیکن انکو تسلیم ہے کہ خواجہ صاحب کا انداز کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

روا ست صائب اگر نیست از رہ دعوی — تتبع غزل خواجہ گرچہ بے ادبی ست
صائب چہ توان کرد بہ تکلیف عزیزان — ورنہ طرف خواجہ شدن بے بصری بود

ع، چو شعر حافظ شیراز انتخاب ندارد،

سلیم معتقد نظم خواجہ حافظ باش — کہ نشہ بیش بود در شراب شیرازی

عرفی نے کبھی غزل میں کسی استاد کا نام نہیں لیا، تاہم کہتا ہے،

ہزار تتبع حافظ رواست چون عرفی — کہ دل بکار دود در سخنوری داند

خواجہ صاحب کی غزل گوئی

غزل کی بنیاد سعدی نے ڈالی اور امیر خسرو اور حسن نے اسکو ترقی دی ساتوین صدی کا چمن انہی بلبلون کے زمزمون سے گونج رہا تھا کہ سلمان ساوجی اور خواجو کرمانی نے نغمہ سنجی شروع کی، سعدی اور خسرو کے آگے اگرچہ انکو فروغ نہیں ہو سکتا تھا، لیکن یہ دونوں اور صناف سخن یعنی قصیدہ اور مثنوی میں اسقدر ممتاز اور نام آور تھے کہ اس اثر نے غزل میں بھی کام دیا اسکے ساتھ ان لوگون نے غزل مین کچھ جدتین بھی پیدا کین جو زمانہ کے مذاق کے موافق تھین اسلئے وہ بھی مقبول ہو گئیں، اس سے بڑھکر یہ کہ سلطنت نے بھی ساتھ دیا، سلمان بغداد کے ملک الشعرا اور خواجو ابو اسحاق فرمانروائے شیراز کے دربار میں سب سے ممتاز تھے،

اساتذہ کا تتبع

غرض خواجہ حافظ نے آنکھیں کھولیں تو سلمان اور خواجو کا رنگ ملک پر چھایا ہوا تھا خواجہ صاحب نے دونون کا زمانہ پایا ہوا تھا اور اتفاق یہ کہ خواجو نے جب ۷۵۳ھ میں شیراز میں وفات پائی، تو دفن اسی مقام یعنی اللہ اکبر میں ہوئے جو حافظ کی خاص سیرگاہ تھی، اور جسکی شان میں فرماتے ہیں،

فرق ست ز آب خضر کہ ظلمات جای اوست — تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر ست

خواجہ صاحب نے غزل گوئی شروع کی تو خواجو کے کلام کو سامنے رکھکر کہنا شروع کیا چنانچہ خود فرماتے ہیں،

ع دارد سخن حافظ طرز و روش خواجو،

جو غزلیں ہم طرح ہیں انمین جا بجا مصرعے تک لڑ گئے ہیں اور مضامین اور ترکیبیں توکثرت سے متوارد ہیں سلمان کی غزلون پر بھی اکثر غزلین ہیں اور ایسے بھی اس قدر جا بجا توارد ہی کہ لوگونکو دونو کے کلام میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہی، یہانتک کہ بعض بعض غزلیں دونوں کے دیوان میں موجود ہیں اور ایک نقطہ کا فرق نہیں، اسی بنا پر بعض تذکروں میں لکھا ہی کہ کاتبوں نے حافظ خواجو اور سلمان کے

دیوانوں میں نہایت خلط ملط کر دیا ہی،

خواجہ صاحب کے کلام کا خواجو وغیرہ سے موازنہ کرنا اگرچہ اس لحاظ سے غیر ضروری ہی کہ آج کسی کو حافظ کی ترجیح میں کلام نہیں، بلکہ خواجہ صاحب کی غزلوں کے مقابلہ مین خواجو اور سلمان کی غزلوں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا، لیکن شاعری کی تاریخ کا یہ ایک ضروری باب ہی کہ شاعری کی ترقی کے تدریجی مدارج دکھائے جائیں یہ ایک واقعہ ہی کہ سعدی، خواجو اور سلمان ہی کے خاکے ہیں، جن پر حافظ نے نقش آرائیاں کی ہیں، اسلئے انکے باہمی امتیاز اور تدریجی ترقی کا دکھانا مصنف کا ضروری فرض ہی،

سعدی اور خسرو اور حسن نے غزل مین زیادہ تر عشق و عاشقی کے جذبات اور معاملات بیان کئے تھے خواجو نے دنیا کی بے ثباتی، وسعت مشرب، اور رندی و مستی پر زیادہ زور دیا، اکثر غزلین پوری کی پوری صرف دنیا کی بے ثباتی پر ہیں مثلاً یہ غزل،

پیش صاحب نظر آن ملک سلیمان باد است   بلکہ آن است سلیمان کہ زملک آزاد است
این کہ گویند کہ برآب نہادہ ست جہان   مشنو ای خواجہ اگر چون در نگری برباد است

یا مثلاً یہ غزل

مشو بہ ملک سلیمان و مال قارون شاد   کہ مال و ملک بود در رہ حقیقت باد،

خواجہ صاحب نے بھی انہی مضامین پر شاعری کی بنیاد رکھی ہے،

سلمان کا خاص مذاق، مضمون آفرینی، جدت تشبیہ اور صنائع لفظی ہی، خواجہ حافظ بھی ان چیزوں کو لیتے ہیں لیکن یہ انکا خاص انداز نہیں سعدی، خسرو اور حسن کا کلام ہمہ تن عشق سوز و گداز بیان تشوق، ناامیدی اور حسرت ہی، خواجہ صاحب سعدی کی بھی تقلید کرتے ہیں، چنانچہ اکثر غزلین انکی غزلوں پر لکھی ہیں، لیکن وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور ولولہ خیز طبیعت رکھتے تھے اسلئے درد و غم کے نوحے انسے اچھی طرح ادا نہیں ہوتے، خواجہ صاحب نے سعدی، خواجو، سلمان کے جواب میں جو غزلیں لکھی ہیں انمیں سے بعض ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ استاد اور شاگرد کے فرق مراتب کا اندازہ ہو سکے،

خواجو

خرقہ، رہن خانہ خمار دارد پیر ما   دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما

حافظ

اے ہمہ رندان مرید پیر ساغر گیر ما   چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما

خواجہ صاحب کا مطلع ہر پہلو سے خواجو کے مطلع سے بڑھا ہوا ہی، اور یہ محتاج اظہار نہیں،

گر شدیم از بادہ، بدنام جہان تدبیر چیست | در خرابات مغان ما نیز ہمدستاں شدیم
ہمچنیں رفت است از روز ازل تقدیر ما | کایں چنیں رفت ست از روز ازل تقدیر

خواجہ صاحب نے خواجو ہی کے مضمون اور الفاظ کو الٹ پلٹ کر دیا ہی اور افسوس ہی کہ کچھ بھی ترقی نہیں کی، دوسرا مصرع تو حرف بحرف خواجو ہی کا مصرع ہی، پہلا مصرع خواجو کا زیادہ برجستہ ہی اور صاف، اسکے ساتھ تدبیر اور تقدیر کا مقابلہ نہایت بے تکلفی سے آیا ہی خواجہ صاحب نے یہ حسن بھی کھو دیا، خواجو کے مصرع کا مطلب یہ ہی کہ شراب نے اگر ہمکو رسوا کر دیا تو علاج کیا؟ تقدیر یوں ہی تھی، خواجہ صاحب کہتے ہیں ہمکو بھی مغون کا ساتھ دینا پڑا، تقدیر میں یہی لکھا تھا، خواجہ صاحب کو مضموں کے لحاظ سے بھی کچھ ترجیح نہیں،

خواجو: ما دل دیوانہ در زنجیر زلفت بستہ ایم | عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چون خوش است
حافظ: ای بسا عاقل کہ شد دیوانہ گرد از پی زنجیر ما | عاقلان دیوانہ گردند از پی زنجیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہی، خواجہ صاحب نے یہ بات اضافہ کی کہ عاقلوں کے دیوانہ زنجیر ہونیکی وجہ ظاہر کر دی یعنی یہ کہ زلف کی قید کسقدر پر لطف ہی اسکے علاوہ خواجہ صاحب کا پہلا مصرع زیادہ صاف اور ڈھلا ہوا ہی لیکن خواجو کے مصرع میں ایک خاص نکتہ ہی جو خواجہ صاحب کے یہاں نہیں، خواجو کہتا ہی کہ میرا دیوانہ دل زنجیر زلف میں پھنس گیا، یہ وہ زنجیر ہی کہ عاقل بھی اسکے دیوانے بنگئے، جس سے اس بات کی معذرت نکلتی ہے کہ جب عقلا اس زنجیر میں پھنستے ہیں تو دیوانہ کا پھنسنا کیا تعجب ہی؟ اسکے علاوہ دیوانوں کو عموماً زنجیر میں بندھتے ہیں اسلیے دلکا زلف میں گرفتار ہونا قدرتی بات تھی، خواجہ صاحب نے دلکی دیوانگی کا کچھ ذکر نہیں کیا اسلیے گرفتاری کی کوئی معقول وجہ نہیں، خواجو کے ہاں عاقل و دیوانہ کے لفظی تقابل نے جو لطف پیدا کیا ہی، خواجہ صاحب کے یہاں وہ بھی نہیں،

خواجو: از خدنگ آہ عالم سوز ما غافل مشو | تیر آہ ما ز گردوں بگذرد جانان خموش
حافظ: کز کمان نرم زخمش سخت باشد تیر ما | رحم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما

مضمون وہی خواجو کا ہی، خواجہ صاحب نے کوئی ترقی نہیں دی، بلکہ اسکے لطف کو کم کر دیا، خواجو نے معشوق سے صرف اسقدر کہا تھا کہ وہ غافل مشو، خواجہ صاحب وہ خاموش اور رحم کن بر جان خود سے معشوق کو خطاب کرتے ہیں، جو آداب عشق کے بالکل خلاف ہے،

خواجو: ایا صبا خبرے کن مرا ازان کہ تو دانی | نسیم صبح سعادت بران نشان کہ تو دانی حافظ

بدان زمین گذرے کن بدان زمان کہ تو دانی | گذر بکوی فلان کن دران زمان کہ تو دانی
چو مرغ در طیران آئی و چون بہ اوج رسی | تو پیک حضرت شاہی مراد و دیدہ بہ ہست
نزول ساز دران آشیان کہ تو دانی | بہ مردمی نہ بفرمان ببر ہر آن کہ تو دانی
چنان مرو کہ غبارے بدو رسد ز گذارت | بگو کہ جان ضعیفم ز دست رفت خدا را
بدان طرف چو رسیدی چنان بدان کہ تو دانی | ز لعل روح فزایت بہ بخش از ان کہ تو دانی
| من این دو حرف نوشتم چنان کہ غیر ندانست
| تو ہم ز روی کرامت بخوان چنان کہ تو دانی

دونوں نے صبا کو قاصد بنایا ہی اور اُسکو ہدایتیں کی ہیں، خواجو نے صبا کو مرغ سے اور معشوق کے گھر کو آشیانہ سے تشبیہ دیکر بدمزگی پیدا کردی، لیکن آخر کا شعر نہایت لطیف ہے یعنی اے صبا اس طرح آہستہ اور مودّب جانا کہ گرد تک نہ اُٹھنے پائے اور بتانے کی کیا حاجت ہی؟ تو تو خود آداب دان ہی جیسا مناسب سمجھنا کرنا۔

خواجہ صاحب کا مطلع نہایت برجستہ ہی، صبا کے بدلے نسیم اور اسپر صبح سعادت کی قید نے لطف پیدا کردیا ہی، خواجو کے مصرع میں زمین و زمان کا جو لفظی تناسب تھا تکلف سے خالی نہ تھا، پہلے خواجہ صاحب نے اُسکو اڑا دیا بدان زمین، کے بجای بہ کوی فلان، کا کنایہ زیادہ لطیف ہی دوسرا شعر بھی نہایت لطیف ہی، کہتے ہیں کہ تو شاہی قاصد ہی، میں تجکو حکم نہیں دیسکتا البتہ مروت اور انسانیت کے اقتضا سے توقع رکھتا ہوں، اخیر شعر اور زیادہ پر مزہ ہی معشوق سے کہتے ہین کہ میں نے یہ دو سطریں اس طرح چھپا کر لکھی ہیں کہ غیروں کو خبر نہیں ہونے پائی، تم بھی اسی طرح پڑھنا جیسا مناسب ہو یعنی کسی کو خبر ہونے پائے تا

خواجو — دل درین پیر زن عشوہ گر دہر مبند | مجو درستی عہد از جہان بے بنیاد
حافظ — کین عروسے ست کہ در عہد بسی داماد است | کہ این عجوزہ عروس ہزار داماد ست

مضمون وہی ہی لیکن خواجہ صاحب کی بندش میں زرا حسن ہی، پہلے مصرع میں صرف اسقدر کہنا چاہیے کہ دنیا میں دل نہ لگاؤ پھر اسکی وجہ بتانی چاہیے کہ یہ ایک ایسی عجوزہ ہی جو ہزاروں کے نکاح میں ہے۔ خواجو نے پہلے ہی کہہ دیا کہ عجوزۂ دہر سے دل نہ لگاؤ حالانکہ جب پہلے ہی عجوزہ کہدیا

تو اس دلیل کی ضرورت نہیں ہی کہ وہ کثیر الازواج ہی کیونکہ بڑھیا سے یوں بھی انسان کو محبت نہیں ہوتی، خواجہ صاحب نے پہلے دنیا کی برائی کو مطلق حیثیت سے بیان کیا پھر ایک ساتھ نفرت کی دو وجہیں بتائیں یعنی یہ بوڑھی ہے اور کثیر الازواج بھی ہی،

خواجو
منزل از یار قریب است چہ دوزخ چہ بہشت — ہمہ کس طالب یار اند چہ ہشیار چہ مست
سجدہ گر با نیاز است چہ مسجد چہ کنشت — ہمہ جا خانۂ عشق است چہ مسجد چہ کنشت
خواجہ

خواجو کے شعر کو خواجہ صاحب کے شعر پر ترجیح ہی۔ اول تو خواجو نے مطلع میں جسمیں قافیہ کی پابندی ہو جاتی ہی، ایسے وسیع مضمون کو ادا کیا ہی، اسکے ساتھ دونوں عالم کی دونوں چیزیں لے لیں یعنی دوزخ اور بہشت، مسجد اور کنشت ان سب کے علاوہ مسجد کی تنکیر اور تعمیم اور نیاز کی قید نے جو لطف پیدا کیا ہی، خواجہ صاحب کے ہاں مطلق نہیں، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ مسجد اور گرجا دونوں عشق کے گھر ہیں اور ایک ہی چیز ہیں خواجو دونوں کو مخالف تسلیم کرکے کہتا ہی کہ سجدۂ نیاز وہ چیز ہی کہ مخالف اور موافق ہر جگہ ادا کیا جا سکتا ہی اسمیں یہ بھی اشارہ ہی کہ سجدۂ نیاز گرجا میں بھی ادا کیا جائے تو مسجد بنجائے،

خواجو
کے بر کنم دل از رخ جانان کہ مہر او — عشق تو در وجودم و مہر تو در دلم
با شیر در دل آمدہ با جان بدر شود — با شیر در بدن شد و با جان بدر شود
خواجہ

خواجہ صاحب نے جس طرح اس مضمون کو ترقی دی ہی محتاج اظہار نہیں،

خواجو اور خواجہ صاحب کی غزلیں اکثر ہم طرح ہیں اختصار کے لحاظ سے ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں

خواجہ صاحب نے سلمان کی اکثر غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں جن میں کہیں سلمان کی تقلید کی ہی کہیں سلمان کے مضمون کو لیکر زیادہ دلکش پیرایہ میں ادا کیا ہی کہیں سلمان کے آئینہ کو زیادہ جلا دیدی ہی

سلمان
آوازۂ جمالت تا در جہان فتادہ — عید است و موسم گل ساقی بیار بادہ
خلقے بجستجویت سر در جہان نہادہ — ہنگام گل کہ دیدست بے می قدح نہادہ
خواجہ

دونوں مطلع بالکل الگ الگ ہیں ان میں کوئی موازنہ نہیں ہو سکتا،

سودای زہد خشکم بر باد دادہ حاصل — گل رفت اے حریفان غافل چرا نشینید
مطرب بزن ترانہ، ساقی بیار بادہ — بے بانگ رود و چنگے بے یار و جام بادہ

سلمان کا دوسرا مصرع نہایت برجستہ اور مستانہ ہے،

ما ہم بستہ دل را در لعل دلگشا یت | زین زہد و پارسائی بگرفت خاطر من
آن لب بہ خندہ بگشا تا دل شود کشادہ | ساقی پیالہ دہ تا دل شود کشادہ

صنعت تضاد کا دونوں نے لحاظ رکھا ہی، لیکن سلمان کے الفاظ زیادہ صاف ہیں یعنی بستن وکشادن، گرفتن اور کشادن میں بھی گو یہی صنعت ہی، لیکن گرفتن کے یہ اصلی معنی نہیں ہیں بلکہ محاورہ نے یہ معنی پیدا کئے ہیں، اسکے علاوہ دل کے کھلنے کی توجیہ سلمان کے ہاں لفظاً اور معنی دونوں لحاظ سے زیادہ روشن ہی، یعنی تو لب کھول تو ہمارا دل بھی کھلے، کیونکہ ہمارا دل تیرے لبوں میں بندھا ہوا ہے، پیالہ سے دل کھلنے میں یہ بات نہیں،

(حافظ)
سودائیان زلفت گرد تو حلقہ بستہ | در مجلس صبوحی، دانی چہ خوش نماید
(سلمان)
شوریدگان ہویت در یکدگر فتادہ | عکس عذار ساقی بر جام مے فتادہ

مضمون کے لحاظ سے دونوں شعر الگ الگ ہیں البتہ قافیہ مشترک ہی اور سلمان کے ہاں اچھا بندھا ہی، یوں بھی سلمان کا شعر اچھا ہی،

شیخ سعدی کے جواب میں بھی گو اکثر غزلیں ہیں لیکن درحقیقت دونوں کے راستے الگ الگ ہیں اسلئے اسمیں موازنہ نہیں ہو سکتا، تاہم متعدد مضامین خواجہ صاحب نے شیخ سعدی سے لئے ہیں لیکن انکے اسلوب کو اس طرح بدل دیا ہی کہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ معنی انہی قطروں سے بنے ہیں، مثالیں جدت اسلوب کے عنوان میں آئیں گی،

(سعدی اور حافظ)

خواجہ صاحب کی خصوصیات ہم نے دیکھا خواجہ صاحب اپنے اساتذہ یا حریفوں سے طرحی غزلوں میں چنداں بلند رتبہ نہیں ہیں، انکی شاعری کے مہمات مضامین بھی انکا ذاتی سرمایہ نہیں، بلکہ خیام کے ابر قلم کے رشحات ہیں، با این ہمہ انکی غزلوں نے دنیا میں جو غلغلہ برپا کر دیا، اسکے آگے سعدی خسرو خواجو، سلمان کی آوازیں بالکل پست ہو گئیں اسکا کچھ سبب ہوگا، اور وہی خواجہ صاحب کی خصوصیات شاعری ہیں۔ یہ خصوصیات اگرچہ درحقیقت ذوقی اور وجدانی ہیں جو صرف مذاق سلیم سے تعلق رکھتے ہیں تاہم جسقدر ضبط تحریر میں آسکتا ہی وہ حسب ذیل ہے،

حقیقت یہ ہی کہ خواجہ صاحب کی شاعری میں متعدد ایسی چیزیں جمع ہو گئی ہیں جنکا مجموعہ اعجاز بن گیا ہی، ممکن ہی کہ انمیں سے ایک ایک چیز کو الگ الگ لیں تو اوروں کے ہاں نکل آئے لیکن خواجہ صاحب

انکا کلام ع "انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہی،

انمیں بعض اوصاف ایسے بھی ہیں جو اوروں کے کلام میں اس درجہ تک نہیں پائے جاتے مثلاً روانی، برجستگی اور صفائی، یہ وصف سعدی اور خسرو کا بھی ہے، بہ الا متیاز ہی لیکن یہ ایسی چیز ہے جسکے مدارج کی حد نہیں، ممکن ہے کہ ایک شعر خود نہایت رواں اور صاف و شستہ ہو لیکن ایک اور شعر اس سے بھی بڑھکر ہو، اور اس سے بھی بڑھکر کوئی اور شعر ہو جس طرح نغمہ اور حسن کہ انکے مدارج ترقی کی کوئی حد نہیں،

ایک اور چیز جو خواجہ صاحب کی شاعری کا نہایت نمایاں وصف ہی جوش بیان ہی اسی طرح تنوع مضامین بھی، ان سے پہلے اس قدر نہ تھا، چنانچہ ہم انکے کلام کے تمام اوصاف کو الگ الگ عنوان ذیل میں لکھتے ہیں،

جوش بیان | فارسی شاعری، باوجود ہزاروں گوناگوں اوصاف اور خیالات کے، جوش بیان سے خالی ہی، فردوسی اور نظامی کے ہاں خاص خاص موقعوں پر جوش بیان کا پورا زور ہی لیکن وہ اوروں کے خیالات اور واردات ہیں، خود شاعر کے حالات اور جذبات نہیں، بخلاف اسکے خواجہ حافظ کے کلام میں جو جذبات ہیں وہ خود انکے واردات اور حالات ہیں اسلیے انکو وہ اس جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ ایک عالم چھا جاتا ہی جوش بیان کے لیے کسی مضمون یا کسی خیال کی خصوصیت نہیں، ہر مضمون اور ہر خیال جوش کے ساتھ ظاہر کیا جا سکتا ہی، البتہ اختلاف نوعیت کی وجہ سے صورتیں بدل جاتی ہیں مثلاً شاعر جوش مسرت کا بیان کرتا ہی تو اس انداز سے کرتا ہی کہ گویا آپے سے باہر ہوا جاتا ہی، قہر اور غضب کا بیان ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ دنیا کا مرقع الٹ دیگا، دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ ہی تو معلوم ہوتا ہی کہ تمام عالم ہیچ ہی، غصہ اور غضب کا مضمون ہی تو نظر آتا ہی کہ منھ سے انگارے برس رہے ہیں،

خواجہ صاحب نے سیکڑوں گوناگوں خیالات ادا کیے ہیں اور جس خیال کو ادا کیا ہی اس جوش کیساتھ کیا ہی کہ سننے والے پر وہی اثر طاری ہو جاتا ہی جو خود خواجہ صاحب کے دل میں ہوتا ہی،

دنیا کی بے اعتباری

اعتمادے نیست بر دور جہان | بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

استقلال و ثابت قدمی و جد و ذوق

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود | کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند
حلقہ پیر مغانم ز ازل در گوش است | ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

افسانہ عشق کی لازوالی

در نمازم خم ابروے تو ام یاد آمد | حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد
از صدیث سخن عشق ندیدم خوشتر | یادگاری کہ درین گنبد دوار بماند

بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشنو — اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن

می ترسم از خرابی ایمان کہ می برد — محراب ابروی تو حضور نماز من

زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب — مارا بہ جام بادۂ گلگون خراب کن

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگران ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

با قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم — از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

داستان در پردہ می گویم و لی — گفتہ خواہد شد بہ دستان نیز ہم

محتسب داند کہ حافظ می خورد — آصف ملک سلیمان نیز ہم

رنگ و تزویر پیش ما نبود — شیر سرخیم و افعی سیہیم

گرچہ پیرم تو شبی تنگ در آغوشم گیر — تا سحرگہ ز کنار تو جوان برخیزم

ای نور چشم من سخنی ہست گوش کن — تا ساغرت پرست بنوشان و نوش کن

بس تجربہ کردیم درین دیر مکافات — با دُرد کشان ہر کہ درافتاد برافتاد

سوز آہ سینۂ سوزان من — سوخت این افسردگان خام را

(حاشیہ: واعظوں کی [illegible]، واعظ اور پندی کی تحقیر، مستی کی دعا، کمال کسی پر محدود نہیں، ہم میں وفا و محبت ہونا، اعلان راز، ظاہر و باطن یکسان ہونا، معشوق کی روح افزائی، جود و کرم کی ترغیب، غرور ہونے کے نشے کا انجام، سوز دل کا اثر)

جوش بیان کا اصلی موقع وہاں آتا ہے جہاں کسی خاص جذبہ کا اظہار کرنا ہوتا ہے مثلاً رنج و غم فخر و ناز، غیظ و غضب، عشق و محبت،

خواجہ صاحب پر رندی اور سرمستی کا جذبہ غالب تھا، ان کے تمام کلام میں یہ جذبہ اس جوش اور زور کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ فارسی شاعری کی ہزار سالہ زندگی میں اسکی نظیر نہیں ملسکتی اس کے اندازہ کرنے کے لئے پہلے ایک رند سرمست کی حالت کا تصور باندھو کہ جب وہ مستی کے جوش و خروش میں ہوتا ہے، تو اسکے دل میں کیا کیا خیالات آتے ہیں، وہ مزے میں آکر پکارتا ہے کہ مجکو نام و ننگ کی کچھ پروا نہیں ساقی پیالہ پر پیالہ دیئے جا، اور کسی سے نہ ڈر، زاہد کیا جانتا ہے کہ جام میں کیا کیا گونا گون عالم نظر آتے ہیں، مطرب سے کہدو یہ ترانہ گائے کہ تمام دنیا پر میری حکومت ہے کل خاک میں جانا ہی ہے آج کیوں نہ عالم میں غلغلہ ڈالدوں، تم مجھے حقیر سمجھتے ہو شراب خانہ میں آؤ تو تم کو نظر آئے کہ میری کیا شان ہے، میرے ہاتھ میں جو پیالہ ہے جمشید کو بھی نصیب نہوا ہوگا، میں تنہا آج سے نہیں پیتا، مدت سے آسمان اس غلغلہ سے گونج رہا ہے، صوفی اور واعظ راز دانی کی شیخیان بگھارتے

ہیں، حالانکہ جو کہتے ہیں تجھی سے سن لیا تھا، یہ عالم لطف اٹھانے کے لیے کافی نہیں، آؤ آسمان کی چھت توڑ کر ایک اور نیا عالم بنائیں خواجہ صاحب ان خیالات کو اسی جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں جس طرح ایک سرمست کے دل میں آتے ہیں،

ابھی یہ بحث چھوڑ دو کہ خواجہ صاحب کی شراب معرفت کی شراب ہے یا انگور کی مستی دونوں میں ہے اور یہاں صرف مستی سے غرض ہے،

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم　　فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

آؤ پھول برسائیں اور شراب پیالہ میں ڈالیں　　آسمان کی چھت توڑ ڈالیں اور نئی بنا ڈالیں

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد　　من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اگر غم عاشقوں کے مقابلہ کیلئے فوج تیار کرے، تو ہم اور ساقی دونوں ایکا کر کے اسکی جڑ اکھاڑ کر پھینکیں

چو در دست است رودی خوش بزن مطرب سرودی خوش　　کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

رند مست میں آکر جب گاتا ہے تو دونوں طرف ہاتھ جھٹکتا ہے، پاؤں زمین پر دے دے مارتا ہے سر کو دائیں بائیں جھٹکے دیتا ہے، یہ شعر بعینہ اس حالت کی تصویر ہے،

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما　　مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم　　اے بیخبر ز لذت شرب مدام ما

ساقیا برخیز و در دہ جام را　　خاک بر سر کن غم ایام را

گرچہ بدنامی است نزد عاقلان　　ما نمی خواہیم ننگ و نام را

تا ز میخانہ و مے نام و نشان خواہد بود　　سر ما خاک رہ پیر مغان خواہد بود

حلقۂ پیر مغانم ز ازل در گوش است　　ما ہمانیم کہ بودیم و ہمان خواہد بود

بر سر تربت ما چون گذری ہمت خواہ　　کہ زیارتگہ رندان جہان خواہد بود

عاقبت منزل ما وادی خاموشان است　　حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

حاصل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست[1]　　بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست

ساقی بیار بادہ و با مدعی بگو　　انکار ما مکن کہ چنین جام جم نداشت

خوش وقت رند مست کہ دنیا و آخرت　　از دست داد و ہیچ غم بیش و کم نداشت

[1] یعنی کچھ ایسی کائنات نہیں،

مائی به بانگ چنگ امروز می خوریم　　پس دیر شد که گنبد چرخ این صدا شنید

سر خدا که عارف و سالک بکس نگفت　　در حیرتم که باده فروش از کجا شنید

ساقی بیا که عشق ندا می کند بلند　　کان کس که گفت قصه ما هم ز ما شنید

من ترک عشق بازی و ساغر نمی کنم　　صد بار توبه کردم و دیگر نمی کنم ٭

من رند و عاشق و آنگاه توبه　　استغفر الله استغفر الله ٭

ما زاهد و تقوی کمتر شناسیم　　یا جام باده یا قصه کوتاه

شراب و عیش نهان چیست کار بی بنیاد　　زدیم بر صف رندان و هر چه بادا باد

سخن درست بگویم نمی توانم دید　　که می خورند حریفان و من نظاره کنم

گدای میکده ام لیک وقت مستی بین　　که ناز بر فلک و حکم بر ستاره کنم

نه قاضیم نه مدرس نه مفتیم نه فقیه　　مرا چکار که منع شراب خواره کنم

با من خاک نشین خیز و سوی میکده آی　　تا ببینی که دران حلقه چه صاحب جاهم

ای خوشا حالت آن مست که در پای حریف　　سر و دستار نداند که کدام اندازد

خوشتر از فکر می و جام چه خواهد بودن　　چون خبر نیست که انجام چه خواهد بودن

پیر میخانه چه خوش گفت معمای دوش　　از خط جام که فرجام چه خواهد بودن

باده خور غم مخور و پند مقلد مشنو　　اعتبار سخن عام چه خواهد بودن

غم دنیای دنی چند خوری باده بخور　　حیف باشد دل دانا که مشوش باشد

ساقی بیا که شد قدح لاله پر ز می　　طامات تا بچند و خرافات تا بکی

شیخم به طنز گفت حرام است می مخور　　گفتم برو که گوش بهر خر نمی کنم ٭

که برد به نزد شاهان ز من گدا پیامی　　که بکوی می فروشان دو هزار جم به جامی

صبح است ژاله می چکد از ابر بهمنی　　برگ صبوح ساز و بزن جام یک منی

ساقی بهوش باش که غم در کمین ماست　　مطرب نگاه دار همین ره که میزنی

بیا که رونق این کارخانه کم نشود　　ز زهد همچو توئی یا ز رندی چو منی

ما مرد زهد و توبه و طامات نیستیم　　با ما به جام باده صافی خطاب کن

زان پیشتر کہ عالم فانی شود خراب ـــ مارا بہ جام بادہ گلگون خراب کن

یہ مضامین کہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے اسکے لئے جھگڑون اور بکھیڑوں میں پڑنے سے کیا حاصل کھاؤ پیو لطف اُٹھاؤ اور دنیا سے گزر جاؤ ۔ سو سو طرح بندہ چکے ہیں ۔ اور خیام کی تمام شاعری کی یہی کائنات ہے لیکن خواجہ صاحب کے ہان جو جوش بیان پایا جاتا ہے فارسی شاعری اس سے خالی ہے

شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش ـــ کہ تا یکدم بیاسایم ز دنیا و ز شر و شورش

کمند صید بہرامے بیفگن جام جم بردار ـــ کہ من پیمودم این صحرا نہ بہرام است نہ گورش

می دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ ـــ ہمیں بس است مرا صحبت صغیر و کبیر

دو یار زیرک و از بادہ کہن دو منے ـــ فراغتی و کتابے و گوشہ چمنے ؛

من این مقام بہ دنیا و آخرت ندہم ـــ اگرچہ در پیم افتند خلق انجمنے ؛

دنیا کی شان و شوکت جاہ و جلال دہوم دھام انکو للچانا چاہتے ہیں لیکن انکے دلسے یہ صدا آتی ہے کہ تا کے؟ یہ نیرنگیاں کب تک؟ اس جھوٹے طلسم کے لئے زندگی کو کیون آلودہ کیا جائے۔

بس کن ز کبر و ناز کہ دیدہ است روزگار ـــ چین قبائے قیصر و طرف کلاہ کے

حاصل کارگہ کون و مکان اینہمہ نیست ـــ بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہمہ نیست

بیفشان جرعہ بر خاک و حال اہل شوکت بین ـــ کہ از جمشید و کیخسرو ہزاران داستان دارد

گرہ بہ باد مزن گرچہ بر مراد وزد ؛ ـــ کہ این سخن بہ مثل باد با سلیمان گفت

یہ فلسفہ خواجہ صاحب پر اسقدر چھا گیا تھا کہ بوریائے فقر انکو مسند جمشید نظر آتا تھا ۔ وہ خود اس خیال میں مست تھے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی اس عالم کا لطف اُٹھائیں وہ مناظر قدرت سے بہار سے آب روان سے سبزہ و مرغزار سے لطف اُٹھاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ خوش عیشی کا یہ عالم ہر شخص کو نصیب ہو سکتا ہے ۔ اس بنا پر وہ تمام دنیا کو خوش عیشی کی تعلیم دیتے تھے یونان میں اپیکیورس کی بھی یہی تعلیم تھی ۔ لیکن وہ فلسفی تھا اس لئے جو کچھ کہتا تھا فلسفہ کے انداز میں کہتا تھا خواجہ صاحب شاعر تھے اور فطری شاعر تھے اس لئے اونھوں نے خوش عیشی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ زمین سے آسمان تک جوش مسرت سے لبریز نظر آتا ہے اور یہی شاعری کا اصلی کمال ہے :

عید است ساقیا قدحے پر شراب کن ـــ دور فلک درنگ ندارد شتاب کن

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند ۔ چناں نماند چنین نیز ہم نخواہد ماند
دمے با غم بسر بردن جہان یکسر نمی ارزد ۔ بمی بفروش دلق ما کزین بہتر نمی ارزد
شکوہ تاج سلطانی کہ بیم جان درو درج ست ۔ کلاہ دلکش است اما بدرد سر نمی ارزد
غم دنیای دنی چند خوری بادہ بخور ۔ حیف باشد دل دانا کہ مشوش باشد
خوشتر از فکر می و جام چہ خواہد بودن ۔ چون خبر نیست کہ انجام چہ خواہد بودن

بہار سے لطف اٹھاتے ہیں،

نفس باد صبا مشک فشان خواہد شد ۔ عالم پیر دگر بارہ جوان خواہد شد
ارغوان جام عقیقی بہ سمن خواہد داد ۔ چشم نرگس بہ شقائق نگران خواہد شد
مطرب مجلس انس است غزل خوان شکر ۔ چند گوئی کہ چنین است و چنان خواہد شد
بلبل ز شاخ سرو بہ گلبانگ پہلوی ۔ می خواند دوش درس مقامات معنوی
مرغان باغ قافیہ سنجید و بذلہ گو ۔ تا خواجہ می خورد بہ غزل ہائے پہلوی
درویشم و گدا و برابر نمی کنم ۔ پشمین کلاہ خویش بہ صد تاج خسروی
خوش فرش بوریا و گدائی و خواب امن ۔ کین عیش نیست درخور اورنگ خسروی
آخر الامر گل کوزہ گران خواہی شد ۔ حالیا فکر سبو کن کہ پر از بادہ کنی
ای کہ در کوی خرابات مقامے داری ۔ جم وقت خودی از دست بہ جامے داری
ای کہ با زلف و رخ یار گذاری شب و روز ۔ فرصتت باد کہ خوش صبحے و شامے داری
می خواہ و گل افشان کن از دہر چہ می جوئی ۔ این گفت سحر گہ گل بلبل تو چہ می گوئی
مسند بہ گلستان بر شاہد و ساقی را ۔ لب گیری و رخ بوسی می نوشی و گل بوئی

خواجہ صاحب کے اس خاص کمال (جوش بیان) کا اندازہ اسوقت اچھی طرح ہو سکتا ہے جب انہی مضامین کے متعلق اور اساتذہ کے کلام کا موازنہ کیا جائے نمونہ کے لئے ہم صرف چند شعر و نپر اکتفا کرتے

سلمان ۔ حافظ

رندی و عاشقی و قلاشی ۔ عاشق و رند و نظر بازم و میگویم فاش
ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست ۔ تا بدانی کہ بہ چندین ہنر آراستہ ام

سلمان

درون صافی از اہل صلاح وزہد مجوی
کہ این نشانۂ رندان دردی آشام ہست
مکن ملامت رندان وگر بہ بدنامی +
کہ ہرچہ پیش تو ننگ ست نزد ما نام ہست
غرض از کعبہ وبت خانہ توئی سلمان را
چکنم خانہ بے خانہ خدا باید رفت
من ازان روز کہ در بند توام آزادم
بادشاہم چو بدست تو اسیر افتادم
ای گنج نوشدارو درخستگان نظر کن
مرہم بدست وما را مجروح می گزاری

حافظ

راز درون پردہ ز رندان مست پرس
کین حال نیست صوفی عالی مقام را
گرچہ بدنامی ہست نزد عاقلان
مانمی خواہیم ننگ و نام را +
جلوہ بر من مفروش ای ملک الحاج کہ تو
خانہ می بینی ومن خانہ خدا می بینم
فاش می گویم واز گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم واز ہر دو جہان آزادم
یارب این باکہ توان گفت کہ آن نوشین لب
کشت مارا ودم عیسی مریم با اوست

بدیع الاسلوبی یعنی جدت وخوبی ادا

اکثر مضامین ایسے ہیں جو مدتوں سے بندھتے آتے تھے یا بندھے نہ تھے لیکن بجائے خود معمولی مضمون تھے، جن میں کوئی دلفریبی نہ تھی خواجہ صاحب کے حسن اسلوب ورجدت ادا نے اسکو نہایت دل آویز اور لطیف کر دیا، مثلاً معشوق کی آنکھ کو سب مخمور، سرشار اور مست کہتے آئے ہیں، خواجہ صاحب اسی بات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں،

ہرکس کہ دید چشم او گفت   کہ محتسبے کہ مست گیرد

یعنی جسنے اسکی آنکھ دیکھی بول اٹھا کہ کہین محتسب نہیں کہ مست کو گرفتار کرے،

معشوق کی زلف کو بنفشہ پر ترجیح دینا معمولی بات ہی خواجہ صاحب اسکو اس طرح ادا کرتے ہیں،

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ میزد   صبا حکایت زلف تو درمیان انداخت

یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہی کہ تصویر کھینچدی ہی، بنفشہ گویا ایک حسین اور جمیلہ ہی، اسکی زلفین نہایت خوبصورت اور گھونگروالی ہیں، وہ بڑے ناز و انداز سے بیٹھی ہوئی چوٹی میں گرہیں لگا رہی ہیں، اتنے میں صبا کہین سے آنکلی، اپنے معشوق کی زلفوں کا ذکر چھیڑ دیا، بنفشہ عین غرور و ناز کی حالت میں شرما کر رہ گئے جدت میں جدت یہ ہو کہ نتیجہ یعنی بنفشہ کا شرمندہ ہو جانا بیان نہین کیا کہ اسکے اظہار کی ضرورت نہین

زاہد کی نسبت یہ خیال ظاہر کرنا مقصود تھا کہ گو وہ شراب وغیرہ استعمال نہیں کرتا تاہم چونکہ اسکی فتوحات اور نذور، ریا اور زور کے ذریعہ سے ہاتھ آتی ہیں اس لئے وہ بھی حرام سے کم نہیں ۔ اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے،

ترسم کہ صرفہ نہ برد روز باز خواست ۔ نان حلال شیخ ز آب حرام ما

یعنی مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن شیخ کی حلال روٹی، میرے آب حرام (شراب) سے بازی لیجا سکے جدت پہلو کے ساتھ ہر لفظ ایک خاص لطف پیدا کرتا ہے،

ترسم سے دکھانا ہے کہ میں اس بات کو بطور شماتت کے نہیں کہتا بلکہ ہمدردی کے لحاظ سے مجھکو کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ایسا نہو، قیامت کو باز خواست کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ کھوٹے کھرے کے پرکھنے کا دن ہے،

نان حلال، اور آب حرام کے مقابلہ نے علاوہ صنعت اضداد کے جو نہایت بے تکلفی سے ادا ہوئی ہے، اصل مضمون کو نہایت بلیغ کر دیا ہے، یعنی زاہد کی روٹی باوجود حلال ہونے کے، میرے آب حرام سے بازی نہ لیجائے، تو زاہد کے لئے کس قدر افسوس کا سبب ہوگا،

فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتویٰ داد ۔ کہ می حرام و لے بہ ز مال اوقاف ست

اس طرز ادا کی بلاغت پر لحاظ کرو، اول تو اس امر کا اعتراف کہ شراب گو حرام سہی لیکن مال وقف سے بہر حال اچھی ہے، خود فقیہ کی زبان سے کرایا ہے، اسکے ساتھ مست کی قید لگا دی ہے جس سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ فقیہ سچی بات کا اظہار یوں کا ہیکو کرتا مست تھا اسلئے پس و پیش کا خیال نہ آیا اور جو دل میں تھا زبان سے کہہ گیا،

زاہد خدا کا تصور جو دلوں میں قائم کراتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ مجسم قہر و غضب ہے، ذرا ذرا سی بات پر ناراض ہوتا رہتا ہے اور نہایت بے رحمانہ سزائیں دیتا ہے لیکن اہل نظر کے نزدیک خدا سراپا لطف اور رحم ہے، اس مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں،

پیر درد سے کش ما گرچہ ندارد زر و زور ۔ خوش عطا بخش و خطا پوش خدائے دارد

"خدائے"، کی تنکیر نے کیا لطف پیدا کیا ہے، گویا ایسا خدا بہت غیر معروف ہے زاہد وغیرہ سے اس سے مطلق شناسائی نہیں،

یہ مضمون کہیں نے معشوق کا انتخاب ایسی دیدہ وری سے کیا کہ ہر شخص نے اسکی داد دی اسکو یون ادا کرتے ہیں،

ہر کس کہ دید روی تو بوسید چشم من ‏ ‏ ‏ ‏ کارے کہ کرد دیدہ من بے بصر نکرد

یعنی جسنے تیرا چہرہ دیکھا میری آنکھیں چوم لیں کہ کیا عمدہ انتخاب ہی، میری آنکھہ نے جو کام کیا دیکھہ بھال کے کیا،

شاہد بازی کی نسبت یہ عذر خواہی کہ اور لوگ بھی تو کرتے ہیں، عام مضمون ہی سعدی فرماتے ہیں،

گر گند سیل بہ خوبان دل من خردہ مگیر ‏ ‏ ‏ ‏ کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اسی مضمون کو خواجہ صاحب جدید اور لطیف اسلوب سے ادا کرتے ہین،

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ ‏ ‏ ‏ ‏ ہزار شکر کہ یاران شہر بے گنہ اند

شعر کا ظاہری مطلب یہ ہی کہ مین اگرچہ گنہگار اور نالائق ہون لیکن خدا کا شکر ہی کہ شہر میں اور لوگ پاکیزہ اخلاق ہیں جنکی برکت سے میری شامت اعمال کا اثر اور ونپر نہ پڑے گا لیکن حقیقت میں یہ اور ونپر در پردہ چوٹ ہی، سعدی نے کھلے لفظوں میں کہدیا خواجہ صاحب کنایۃً ادا خدا کے عفو کے بھروسے پر شراب پینے کی جرات اس پیرایہ میں لاتے ہیں،

بیار بادہ بخور زان کہ پیر میکدہ دوش ‏ ‏ ‏ ‏ بسے حدیث غفور و رحیم و رحمٰن گفت

اس موقع پر خدا کے متعدد نام جنسے رحم اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہی، لانا کس قدر بلاغت ہی، دنیا کی بے ثباتی کو اس انداز میں کرتے ہیں،

سرود مجلس جمشید گفتہ اند این بود + ‏ ‏ ‏ ‏ کہ جام بادہ بیاور کہ جم نخواہد ماند

مطلب یہ ہی کہ دنیا کا کچھہ اعتبار نہیں اسلیئے یہ چند روزہ زندگی عیش و عشرت میں گذار دو کل خدا جانے کیا ہوگا، اس مضمون کے لئے کس قدر بلیغ پیرایہ اختیار کیا ہے، عیش اور کامیابی میں جمشید سے نام آور تاہم خود اسکی مجلس میں یہ راگ گایا جاتا تھا، اس سے بڑھکر دنیا کی بے ثباتی کا کیا ثبوت ہوگا جمشید کا نام اس بے حقیقتی سے لینا کہ القاب و خطاب ایک طرف پورا نام بھی نہیں اس مضمون کو نہایت با اثر کر دیتا ہی،

شرم از آن چشم سیہ بادش و مژگان دراز ‏ ‏ ‏ ‏ ہر کہ دل بردن او دید و در انکار من ست

اس مضمون کے ادا کرنیکا معمولی پیرایہ یہ تھا کہ جو شخص میرے اوپر اعتراض کرتا ہے اگر معشوق کو دیکھتا

تو اعتراض سے باز آنا، اسکو یوں ادا کیا ہو کہ جو شخص میرے دل باختگی پر اعتراض کرتا ہی اسکو معشوق کی آنکھ اور مژگان سے شرم نہیں آتی یعنی مجھپر اعتراض کرنا گویا آنکھوں کی دلربائی سے انکار کرنا ہی،

یارب بہ کہ تبوان گفت این نکتہ کہ در عالم　　رخسارہ بہ کس ننمود آن شاہد ہر جائی

اس مضمون کو کہ شاہد مطلق (خدا) کا جلوہ اگرچہ ایک ایک ذرہ میں چمکتا ہو لیکن اسکی حقیقت کسی کو معلوم نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہی کس بدیع اسلوب سے ادا کیا ہی یعنی کس قدر تعجب ہی کہ ہرجائی بھی ہی اور آجتک کسی نے اسکو دیکھا بھی نہیں، وصالی نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہی،

اے کہ در ہیچ خانہ داری جا +　　بو العجب ماندہ ام کہ ہرجائی

لیکن خواجہ صاحب کی طرز ادا میں لطافت کے علاوہ اسلوب بھی زیادہ معنی خیز ہے،

بدیع الاسلوبی کے اچھی طرح سمجھ میں آنے کے لئے ہم چند مثالین لکھتے ہیں جنسے ظاہر ہوگا کہ ایک مضمون جو کسی اور استاد نے باندھا تھا خواجہ صاحب نے خوبی ادا سے اسکو کس قدر بلند رتبہ کر دیا ہی،

سعدی	حافظ
تو گرچہ امیر و ما فقیریم	در راہ عشق، فرق غنی و فقیر نیست
دل داری دوستان ثواب است	ای بادشاہ حسن سخن با گدا بگو

سعدی	حافظ
ای بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم	بنال بلبل اگر با منت سر یاری است
تو عشق گلے داری من عشق گل اندامی	کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری است

شیخ صاحب کہتے ہیں کہ ای بلبل اگر تو رونے پر آمادہ ہو تو مین بھی تیرا ساتھ دینے کو موجود ہوں مجکو تجسے ہمدردی کی یہ وجہ ہے کہ تو گل پر عاشق ہی اور میرا معشوق بھی گل اندام ہے، غرض شیخ نے ہمدردی کی وجہ، معشوق کا ایک گونہ اشتراک قرار دیا ہی، لیکن یہ پہلو نزاہت اور غیرت سے ذرا ہٹا ہوا ہے اسلئے خواجہ صاحب ہمدردی کی وجہ سے عشق کی شرکت قرار دیتے ہیں، معشوق کے اشتراک سے کوئی تعلق نہیں، اسکے ساتھ خود بلبل کے پیرو نہیں بنتے بلکہ بلبل کو اپنا بناتے ہیں، دو کے لفظ پر جو زور دیا ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ عشق کے صحیح دعویدار صرف دو ہی ہو سکتے ہیں عاشق اور بلبل ان باتوں کے ساتھ زار اور زاری کے اجتماع اور مطلع ہونے نے شعر کو نہایت بلند پایہ کر دیا ہی،

سعدی — حافظ

ای گنج نوشدارو بر خستگان نظر کن
مرہم بدست و ما را مجروح می گذاری

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب
بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

خواجہ صاحب نے شیخ کے مضمون کا پیرایہ کس قدر لطیف کردیا ہے،

سلمان — حافظ

رندی و عاشقی و قلاشی
ہیچ شک نیست کہ در ما ہمہ ہست

عاشق و رندم و نظر بازم و میگویم فاش
تا بدانی کہ بچندین ہنر آراستہ ام

حقیقی بندش اور جوش بیان کے علاوہ سلمان صرف یہ کہتے ہیں کہ مجھ میں یہ سب باتیں ضرور ہیں، اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان باتوں پر اُن کو فخر ہے یا ندامت، خواجہ صاحب صرف ان اوصاف کے پائے جانے پر قناعت نہیں کرتے بلکہ انکو باعث ناز قرار دیتے ہیں، ع

تا بدانی کہ بچندیں ہنر آراستہ ام،

سلمان — حافظ

مکن ملامت رندان دگر بہ بدنامی
کہ ہر چہ پیش تو ننگ است نزد ما نام است

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں
ما نمی خواہیم ننگ و نام را

سلمان کہتے ہیں کہ ہمکو ملامت نکرو کیونکہ جس چیز کو تم ننگ سمجھتے ہو وہی ہمارے نزدیک ناموری کی بات ہی، اس مضمون میں یہ نقص ہی کہ اس سے اس قدر پھر ثابت ہوتا ہی کہ انکو نام کی خواہش ہے گو وہ نام اوروں کے نزدیک ننگ ہی خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمکو نام و ننگ سے سرے سے غرض ہی نہیں اور رندی کی یہی شان ہی،

سلمان — حافظ

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل
شاہد آن ہست کہ این دارد و آنے دارد
دیدہ ام طلعت نیباش کہ آنے دارد
این ہمہ شیفتہ من از پے آن می گردم

شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد
بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

اصل مضمون یہ تھا کہ معشوق پن صرف تناسب اعضا کا نام نہیں، بلکہ اصلی چیز ناز و انداز ہی سلمان نے اس مضمون کو جس طرح ادا کیا، اسمین ایک اور لفظی خوبی یعنی این وآن کا مقابلہ شامل کر دیا، جس سے اصل مضمون کا زور بٹ گیا، اسلئے خواجہ صاحب نے اصل مضمون کو صنعت لفظی سے بالکل الگ کر کے بیان کیا، لیکن این وآن کا لطف بھی ہات سے دینے کے قابل نہ تھا اس لئے دوسرے موقع پر اسکو زیادہ نمایان پیرایہ مین ادا کیا،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن | یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس قسم کی سیکڑوں مثالین ہیں، ہم کو صرف نمونہ دکھانا مقصود تھا،

ان جدی اسالیب سے قطع نظر کر کے کلی اسالیب پر نظر ڈالو خواجہ صاحب نے جن مضامین کو زیادہ تر باندھا ہی وہ شراب کی تعریف، رندی و سرمستی کی ترغیب دنیا کی بے ثباتی، واعظون اور زاہدون کی پردہ دری ہی، انمین سے ہر مضمون کے ادا کرنے کا جو پیرایہ اختیار کیا ہی اس سے بہتر خیال مین نہیں آسکتا، اور یہی وجہ ہی کہ انہی مضامین پر اور اساتذہ کے سیکڑوں ہزارون اشعار موجود ہیں لیکن عام محفلوں میں خواجہ صاحب ہی کے ترانے زبانوں پر ہیں،

واردات عشق | خواجہ صاحب نے شاعری کی مختلف انواع کو لیا ہی اور ہر نوع کو اعلی رتبہ پر پہنچایا ہے لیکن انکی اصلی شاعری، عشق و عاشقی اور رندی اور رندی و سرمستی ہی، رندانہ مضامین وہ جس آزادی رنگینی اور جوش کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اسکی تفصیل جوش بیان کے عنوان میں گذر چکی، عشقیہ مضامین سے ان کا دیوان بھرا پڑا ہی لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکھنا چاہیئے، (جیسا کہ ہم ابتدا میں لکھ آئے ہیں کہ خواجہ صاحب کے عشقیہ جذبات غم اور درد سے کم تعلق رکھتے ہیں، وہ فطرۃً شگفتہ مزاج اور رنگین طبع تھے، اس لئے عشق و عاشقی سے انکو وہیں تک تعلق ہی جہانتک لطف طبع اور شگفتگی خاطر کے کام آئے، وہ ناامیدی حسرت، یاس وغیرہ کچھ لکھتے ہیں تو محض تقلید ہوتی ہی، وہ غمگین منھ بنانا بھی چاہتے ہیں تو چہرہ سے شگفتگی نہیں جاتی، اس بنا پر وہ شوق، ناز و نیاز، بوس و کنار، بزم آرائی، مجلس افروزی کے جذبات اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں، وہ اس قسم کا عشق نہیں کرتے کہ کسی کے پیچھے زندگی برباد کر دین گلیوں مین پڑے پھرین انکا عشق بھی لطف نظر ہے، اچھی صورت سامنے آئی دیکھ لی دل تازہ ہو گیا، پاس بیٹھ گئے ہمزبانی کا لطف اٹھایا، زیادہ پھیلے تو سینہ سے لگا لیا گلے مین باہیں ڈالدین، اس حالت میں بھی کوئی برا خیال نہیں

پاکبازی اور پاک نظری کی روک قائم ہی خود فرماتے ہین،

منم کہ شہرۂ شہرم بہ عشق ورزیدن ✤ منم کہ دیدہ نیالودہ ام بہ بد دیدن ✤

باایں ہمہ عشق و محبت میں جو جو واردات گذرتی ہیں ایک ایک سے باخبر ہیں اور ان سب جذبات کو اُسی سچائی اُسی واقعیت اُسی جوش کے ساتھہ ظاہر کرتے ہیں اسیطرح دل میں آتے ہیں اور یہی اصلی شاعری ہے وہ کوئی بات نہیں کہتے جب تک کوئی جذبہ دل میں نہیں پیدا ہوتے، معشوق کی تعریف بھی جو شاعرون کا رات دن کا وظیفہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو اُسی وقت کرتے ہیں جب معشوق کی کسی نئی ادا سے دل پر چوٹ پڑتی ہی ورنہ یون کچھہ کہہ جاتے ہیں تو اُسکو بیکار سمجھتے ہیں، خود فرماتے ہین،

نکتہ نا سنجیدہ گفتم دلبرا معذور دار ✤ عشوۂ فرمائے تا من طبع را موزون کنم

غنی نے اسی بات کو اپنے انداز مین کہا ہے،

جلوۂ حسن تو آورد مرا بر سر فکر ✤ تو خیالبستی و من معنی رنگین بستم

خواجہ صاحب اس نکتہ سے خوب واقف ہین کہ عشق محض ظاہری حسن و جمال سے نہیں پیدا ہوتا اور ہوتا ہی تو وہ عشق نہیں بلکہ ہوس پرستی ہے عشق کے لئے معشوق کے لیے معشوق میں حسن و جمال کے سوا اور بہت سی ادائیں ہونی چاہئیں اسی نکتہ کو سلمان ساوجی نے بھی ادا کیا تھا،

شاہد آن نیست کہ دارد خط سبز و لب لعل ✤ شاہد آن ست کہ این دارد و آنے دارد

لیکن سلمان نے آن کی تخصیص کردی ہے، خواجہ صاحب بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں،

شاہد آن نیست کہ موے و میانے وارد ✤ بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

لیکن یہین تک بس نہیں کرتے، بلکہ آگے بڑھتے ہیں،

ہزار نکتہ درین کار و بار دلداری ست ✤ کہ نام آن نہ لب لعل و خط زنگاری ست

عاشق جب عشق سے لطف اُٹھاتا ہے تو عام فطرت انسانی کے لحاظ سے اورونکو بھی اس مزہ کے اُٹھانے کی ترغیب دیتا ہی، اس جذبہ کو عجیب لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے،

مصلحت دید من آن ست کہ یاران ہمہ کار ✤ بگذارند و سر زلف نگارے گیرند ✤

شہرے پر از حریفان و ز ہر طرف نگارے ✤ یاران صلائے عشق ست گر می کنید کارے

اس مسئلے کو دیکھو کہ یارو کوئی کام کرنا ہی تو بس یہ عشق کرنے کا کام ہے،

عاشق کو جب وصل کا تصور آتا ہے تو یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں کہ معشوق کو طرح طرح سے آراستہ کرونگا پھولوں کے زیور پہناؤنگا، تخت پر بٹھاؤنگا، اور عرض کرونگا کہ معشوقانہ انداز سے بیٹھے اور تماشا ہو، نہیں بجلی گرائیے، ان جذبات کی تصویر دیکھو،

به تخت گل بنشانم بتے چو سلطانے ز سنبل و سمنش ساز د طوق و یارہ کنم
کرشمہ کن و بانار ساحری بشکن به غمزه رونق بازار سامری بشکن
به باد ده سر و دستار عالمے، یعنے کلاه گوشہ به آئین دلبری بشکن
چو عطر سائی شو و زلف سنبل از دم باد تو قیمتش به سر زلف عنبری بشکن
به زلف گوئی که آئین دلبری بگذار به غمزه گوئے که قلب ستمگری بشکن
برون خرام و به برگوئی خوبی از همه کس سزای حور بده رونق پری بشکن

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ وصل میں دل کے کانٹے نکل جاتے ہیں اور تسکین ہو جاتی ہے لیکن صاحب ذوق جانتا ہے کہ وصل میں آتش شوق اور بھڑکتی ہے اور دل کا ولولہ کسی طرح کم نہیں ہوتا، اسی بنا پر عرب کا شاعر کہتا ہے،

بکل تداوینا فلم یشف ما بنا علی ان قرب الدار خیر من البعد

یعنی ہم سب کرکے دیکھ چکے، کسی سے تسلی نہیں ہوتی تاہم ہجر سے وصل پھر اچھا ہے،
خواجہ صاحب اس نکتہ کو ان ادا کرتے ہیں،

بلبلے برگ گلے خوش رنگ در منقار داشت وندران برگ و نوا خوش نالہای زار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست گفت مارا جلوہ معشوق درین کار داشت

معشوق نے چند روز بیوفائی برتی ہے، پھر صاف ہوگیا ہے، عاشق کو پچھلی باتیں یاد آتی ہیں لیکن قصداً بھلاتا ہے اور معشوق کو مطمئن کرتا ہے کہ مجکو کوئی شکایت نہیں، اتفاقیہ باتیں تھیں ہوگئیں اس حالت کو دیکھو کس طرح ادا کیا ہے،

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت ور ز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت

اس بلاغت کو دیکھو کہ ظلم و ستم کو معشوق کی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ زلف کا نام لیتا ہے اور اسکو ہندو (چور ظالم) کہتا ہے کہ اس سے یہ کیا بعید ہے،

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت | جور شاہ کامران گر بر گدا ہی رفت رفت
گر دلم از غمزۂ دلدار تاب بے برد برد | درمیان جان و جانان ماجرائے رفت رفت

کبھی عاشق کے دل میں یہ جذبہ اُٹھتا ہی کہ معشوق کو اور لوگ بھی چاہتے ہونگے لیکن میری سی جانبازی کون کرسکتا ہے، اس خیال کو محبت کے انداز سے معشوق کے سامنے بھی ظاہر کردیتا ہی،

خواجہ صاحب اس جذبہ کو اس پیرایہ میں ادا کرتے ہیں،

شبے مجنون بہ لیلی گفت کای معشوق بے ہمتا | ترا عاشق شود پیدا و لے مجنون نخواہد شد

اس موقع پر مجنون کے لفظ نے کیا بلاغت پیدا کی ہی، یہ مضمون سیکڑوں نے باندھا ہی لیکن یہ پیرایہ کسی کو نصیب نہوا،

بعض وقت جب معشوق کا ناز اور تمکنت حد سے گذر جاتی ہی تو عاشق تنگ آکر کہہ دیتا ہے کہ اتنا بھی حد سے نہ گذر یئے، دنیا میں اور ہزاروں صاحب جمال ہیں، معشوق بھی جانتا ہی کہ بات سچ ہی لیکن سمجھتا ہی کہ عاشق کے منصب کے خلاف ہی ان سچے جذبات کو خواجہ صاحب اس طرح ادا کرتے ہیں،

صبحدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت | ناز کم کن کہ درین باغ بسی چون تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نہ رنجیم، و لے | ہیچ عاشق سخنے سخت بہ معشوق نگفت

عشق کے جذبات اگرچہ عالم شباب کے لئے خاص ہیں لیکن بڑھاپے میں بھی یہ آگ سرد نہیں ہوتی، عاشق پر اس زمانہ میں مختلف حالات گذرتے ہیں، کبھی کہتا ہے،

ع رندی و ہوسناکی در عہد شباب اولے،

کبھی خیال کرتا ہی کہ عشق کی گرمی خود جوان بنا دیگی، اس حالت مین کبھی معشوق سے کہتا ہی،

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر | کہ سحر گہ زکنار تو جوان برخیزم *

کبھی کہتا ہے،

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتوان شدم | ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جوان شدم

اسی بنا پر رکناے کاشی نے کہا ہی ع عشق در ایام پیری چون بہ سرما آتش است،

ان خیالات کے ساتھ یہ بھی سمجھتا ہی کہ یہ حالت عبرت انگیز ہے اس حالت میں موجودہ حالت پر افسوس کرتا ہی اور عبرت کے لہجہ میں کہتا ہی،

دیدی دلا کہ آخر پیری و زہد و علم ‌ ‌ ‌ با من چہ کرد دیدۂ معشوق باز من ⭑

یہ سب اصلی وارداتین ہین، جو عاشق کو پیش آتی ہیں، خواجہ صاحب نے انکو بے کم و کاست ادا کیا ہے،

معشوق جب صاحب جاہ اور عاشق مفلس او رکم مایہ ہوتا ہے تو معشوق کو عاشق کی طرف التفات سے عار ہوتی ہے، لیکن عاشق ہیں یہ امتیاز ملحوظ نہیں، اس بنا پر قاصد سے خطاب کرکے کہتا ہے،

گر دیگرت بران در دولت گذر بود ⭑ ‌ ‌ ‌ بعد از ادائے خدمت و عرض دعا بگو

در راہ عشق فرق غنی و فقیر نیست ⭑ ‌ ‌ ‌ اے بادشاہ حسن سخن با گدا بگو ⭑

غرض اس طرح کے سیکڑوں جذبات ہیں جنکو خواجہ صاحب نے نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اور جس کی مثال اساتذہ کے کلام میں نہیں مل سکتی، ہم سرسری طور پر یکجائی چند اشعار نقل کرتے ہیں،

معشوق کی نسبت بدگمانی،

خواب آن نرگس فتان تو بے چیزی نیست ‌ ‌ ‌ تاب آن زلف پریشان تو بے چیزی نیست

ظلم کے بعد معشوق کے رحم کی داد،

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب ‌ ‌ ‌ کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہ ⭑

رقیب سے چھپکر سرگوشی،

خدا را اے رقیب امشب زمانے دیدہ بر ہم نہ ‌ ‌ ‌ کہ من بالعل جان بخشش نہانی یک سخن دارم

معشوق کی عام آمیزی کی شکایت،

ز من در دست صبا گوشش بہ پیغام رقیب ‌ ‌ ‌ این ہمہ با ہمہ در ساختۂ یعنے چہ ⭑

عشق سے پارسائی میں فرق آنے کا خطرہ،

می ترسم از خرابی ایمان کہ مے برد ⭑ ‌ ‌ ‌ محراب ابروئے تو حضور نماز من

معشوق نے چارہ ساز ہو کر چارہ نوازی کی

چہ عذر از بخت خود گویم کہ آن عیار شہر آشوب ‌ ‌ ‌ بہ تلخی کشت حافظ را و شکر در دہان دارد

باکہ ! این نکتہ تو ان گفت کہ آن سنگین دل ⭑ ‌ ‌ ‌ کشت ما را و دوم عیسے مریم با اوست ⭑

بوسہ کے ساتھ گالی کا مزہ،

قند آمیختہ با گل نہ علاج دل ماست ‌ ‌ ‌ بوسۂ چند بیامیز بہ دشنامے چند

باوفا معشوق کی نظیر پیش کرکے معشوق سے التفات کی خواہش،

پروانہ و شمع و گل و بلبل ہمہ جمع اند ای دوست بیا رحم بہ تنہائی ما کن

حیا اور رونے کی وجہ سے افشائے راز،

ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز وگرنہ عاشق و معشوق رازدارانند

اوروں کی کامیابی پر حسرت،

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بہ یاد آر حریفان بادہ پیما را

داستان عشق کی دلچسپی،

یک قصہ بیش نیست غم عشق این عجب از ہر کسے کہ می شنوم نامکرر است

معشوق پر فدا ہونے کا انتظار اور اسکا اعتراض،

می خواستم کہ میرمش اندر قدم چو شمع او خود گذر بہ ما چو نسیم سحر نہ کرد

معشوق کی یاد میں شب گذاری کا لطف،

از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح بوی زلف تو ہمان مونس جان است کہ بود

معشوق نہ زر سے ہاتھ آتا اور نہ خود ملتفت ہوتا،

از مہر بوسۂ ز لبش جان ہمی دہم اینم نمی ستاند و آنم نمی دہد

اہل تقویٰ برا مانیں تو مانیں، شاہد پرستی نہیں چھوڑی جاسکتی،

شراب لعل کش و روی مہ جبینان بین خلاف مذہب آنان جمال اینان بین

فلسفہ | خواجہ صاحب کا فلسفہ قریباً وہی ہے جو خیام کا ہے، خواجہ صاحب نے انہی مسائل کو زیادہ تفصیل، زیادہ توضیح اور زیادہ جوش کے ساتھ ادا کیا ہے، چنانچہ ہم انکو بدفعات بیان کرتے ہیں،

(۱) انکا فلسفہ اس مسئلہ سے شروع ہوتا ہے کہ انسان کو کائنات کے اسرار اور انکی حقیقت کچھ معلوم نہیں، اور نہ معلوم ہوسکتی! اس مضمون کو سقراط، فارابی، ابن سینا، خیام سب نے بیان کیا تھا، لیکن خواجہ صاحب جس بلند آہنگی، اور جوش و ادعا کے ساتھ کہتے ہیں وہ انکا خاص حصہ ہے،

بروای زاہد خودبین اکز چشم من و تو راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود

انداز بیان کی بلاغت کو دیکھو! کلام کی ابتدا ایسے لفظ سے کی ہے جس سے زاہد کی دعوی رازدانی

کی سخت تحقیر ظاہر ہوتی ہی، خود بین کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہی کہ یہ دعویٰ صرف خود بینی کی بنا پر ہوتا ہی، زاہد کے ساتھ اپنے آپ کو بھی شریک کر لیا ہی جس سے زاہد کی خاطر داری اور دعوی کی تعمیم مقصود ہی یعنی اس امر میں عارف و زاہد، عالم و جاہل سب برابر ہیں، دوسرے مصرع میں ماضی کے ساتھ آیندہ زمانہ کو بھی داخل کر لینے سے دعویٰ میں زیادہ زور اور تعمیم پیدا ہو گئی ہے،

عنقا شکار کس نہ شود دام باز چین | کین جا ہمیشہ باد بہ دست ست دام را
حدیث از مطرب و می گوی و راز دہر کمتر جوی | کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معما را
دانا چو دید بازی این چرخ حقہ باز | ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ بست
کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست | این قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید
ساقیا جام میم دہ کہ نگارندۂ غیب | نیست معلوم کہ در پردۂ اسرار چہ کرد
آنکہ پر نقش زد این دائرۂ مینائی | کس نہ دانست کہ در گردش پرکار چہ کرد
نہ شوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود | گر تو سرگشتہ شوی دائرہ دوران را
در کارخانہ کہ رہ عقل و علم نیست | وہم ضعیف رائے فضولی چرا کند
ما از برون در شدہ مغرور صد فریب | تا خود درون پردہ چہ تدبیر می کنند
جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ | چون نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
راز درون پردہ چہ داند فلک خموش | اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست
با ہیچ کس نشانے زان دلستان ندیدم | یا من خبر ندارم یا او نشان ندارد
مردم در انتظار درین پردہ راہ نیست | یا ہست و پردہ دار نشانم نمی دہد

شاہد شاہد مطلق کا ظہور اگرچہ ہر جگہ ہے، اور ذرہ ذرہ میں اسکی چمک موجود ہی، لیکن کوئی شخص اسکو پہچان نہیں سکتا،

(۳) اسرار کائنات اگرچہ حقیقت میں معلوم نہیں ہو سکتی، لیکن جو کچھ بھی معلوم ہو سکتا ہی وہ علوم درسیہ کی تحصیل اور بحث مباحثہ سے نہیں معلوم ہو سکتا، بلکہ مجاہدہ، ریاضت، وجدان اور کشف سے معلوم ہو سکتا ہی، خواجہ صاحب نے ارباب ذوق اور مشاہدہ کا نام ساقی، بادہ فروش، رند، رکھا ہی اور اسی بنا پر ہر جگہ پیر مغان در بادہ فروش کے حلقہ بگوشی کا دعوی کرتے ہیں اور انکے مقابلہ میں زہاد یعنی علمائے ظاہری کو بے حقیقت سمجھتے ہیں

راز درون پردہ ز رندان مست پرس | کین حال نیست صوفی عالی مقام را
سر خدا کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت | در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید
مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز | ورنہ در مجلس رندان خبری نیست کہ نیست
اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی | ترسم این نکتہ بہ تحقیق ندانی دانست
سر ز حیرت بہ در میکدہ ہا برکردم | چون شناسای تو در صومعہ یک پیر نبود
حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید | از شافعی مپرسید امثال این مسایل

مرزا غالب نے اس خیال کو بڑی خوبی سے ادا کیا ہے،

آن راز کہ در سینہ نہان است نہ وعظ است | بر دار توان گفت و بہ منبر نتوان گفت

(۴) صوفیہ کے نزدیک علم حاصل ہونیکا ذریعہ بیرونی چیزوں کا مطالعہ نہیں ہے انکے نزدیک پیر جب ایک خاص طریقہ سے توجہ، اور مدت تک اسپر مواظبت کی جاتی ہے تو دل خود ادراکات اور معلومات کا سرچشمہ بن جاتا ہے جس طرح انبیا کا علم باہر سے نہیں آتا بلکہ فوارہ کی طرح اندر سے اچھلتا ہے خواجہ صاحب نے اس مسئلہ کو نہایت پرجوش اور بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے،

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست | و ندران آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم این جام جہان بین بتو کے داد حکیم | گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

یعنی میں نے ساقی (عارف) کو دیکھا کہ خوشی سے کھلا جاتا ہے، ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے اسکو بار بار دیکھتا ہے، اور اس میں اسکو گوناگون عالم نظر آتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کار پرداز فطرت نے تمکو یہ جام جہان بین کس دن عنایت کیا تھا، بولا کہ جسدن یہ سبز گنبد (آسمان) تعمیر کر رہا تھا،

(۵) خواجہ صاحب کا میلان زیادہ تر جبر کی طرف معلوم ہوتا ہے یعنی انسان خود مختار نہیں ہے کوئی اور قوت ہے جو اس سے کام لے رہی ہے، اگرچہ بعض جگہ اسکے خلاف بھی انکے قلم سے نکل جاتا ہے مثلاً

ع ہر عمل اجرے و ہر کار جزائے دارد،

لیکن انکا اصلی رجحان طبع جبر ہی کی طرف ہے یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر خلاف عقل ہے لیکن فلسفہ کی انتہائی منزل یہی ہے، اور ارباب فنا بھی اسی نشہ میں چور ہیں، خواجہ صاحب جب اس عالم میں آتے ہیں تو انکی سرمستی حد سے بڑھ جاتی ہے اور عجیب جوش و خروش کا عالم ہوتا ہے،

نقش مستوری و مستی نہ بہ دست من تست | انچہ استاد ازل گفت، بکن آن کردم
بارہا گفتہ ام و بار دگر مے گویم + | کہ من دل شدہ این رہ نہ بخود می پویم
بروای ناصح و بردرد کشان خردہ مگیر | کار فرمای قدر می کند این من چہ کنم
برق غیرت کہ چنین می جہد از پردہ غیب | تو بفرما کہ من سوختہ خرمن چہ کنم
مرا مہر نگورویان ز سر بیرون نخواہد شد | قضای آسمان ہست، و دیگرگون نخواہد شد
مرا روز ازل کارے بجز رندی نفرمودند | ہر آن قسمت کہ آن جا شد کم و افزون نخواہد شد
مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند | ما دل بہ عشوہ کہ دہیم، اختیار چیست؟
در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند | انچہ استاد ازل گفت ہمان میگویم

(۵) کمال اور ترقی کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ غلط ہو کہ ۶ حریفان بادہا خوردند و رفتند ۷

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید | دیگران ہم بکنند انچہ مسیحا مے کرد

(۶) بندگان خاص کی فطرت ہی جدا ہوتی ہو وہ بات ہر شخص کو نصیب نہیں ہو سکتی،

گوہر جام جم از طینت خاک دگر است | تو توقع ز گل کوزہ گران میداری +

فلسفہ اخلاق | خواجہ صاحب کی اخلاقی تعلیم، اعلی درجہ کی فلسفہ انسانیت کی تصویر ہے ان کا طرز عمل خود انکی زبان سے یہ ہے،

مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن | کہ در شریعت ما غیر ازین گناہی نیست

۶ فرض ایزد بگذاریم و بکس بد نہ کنیم ۷

ما نہ گوئیم بد و میل بہ ناحق نہ کنیم | جامۂ کس سیہ و دلق خود ازرق نہ کنیم

نہ صرف اچھوں بلکہ بروں کو بھی ہم بُرا کہنا پسند نہیں کرتے کیونکہ گو بُرے کو بُرا کہنا چنداں مضائقہ نہیں پھر بھی بُرائی سے خالی نہیں اسلئے سرے سے اس کام کو چھوڑ دینا بہتر ہے،

عیب درویش و تونگر بہ کم و بیش بد است | کار بد مصلحت آن است کہ مطلق نکنیم

ہم اپنے نکتہ چینوں اور مخالفوں سے بھی ناراض نہیں ہوتے اسلئے کہ اگر وہ حق کہتے ہیں تو حق کے بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر غلط کہتے ہیں تو غلط بات کا کیا رنج،

حافظ از خصم خطا گفت نگیریم بر او | ور بہ حق گفت جدل با سخن حق نہ کنیم

ہماری مجلس عام ہر کسی کی تخصیص نہیں جو چاہے آئے، ہم سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے واعظوں اور زاہدوں کی طرح ہمارا اخلاق دوست دشمن عزیز و بیگانہ کافر و مسلمان کی تفریق کی وجہ سے بدلا نہیں کرتا،

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو ٭ گیر و دار حاجب و دربان درین درگاہ نیست
بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است ٭ ورنہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

ہمکو صرف مہر و محبت سے کام ہے دشمنی، بغض، اور کینہ ہمارا طرز عمل نہیں،

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ٭ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس
قفا خوریم و ملامت کشیم و خوش باشیم ٭ کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن
بہ پیر میکدہ گفتم کہ چیست راہ نجات ٭ بخواست جام می و گفت عیب پوشیدن

فرایض اور عبادات بہشت کے لالچ سے نہیں کرنی چاہیں بلکہ اس لئے کرنی چاہیں کہ فرض انسانی ہیں، بہشت بیشک معاوضہ میں ملیگی لیکن تمہارا مطمح نظر یہ نہیں ہونا چاہیئے،

تو بندگی چو گدایان بہ شرط مزد مکن ٭ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند
من آن نگین سلیمان بہ ہیچ نستانم ٭ کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان کے پاس ایک انگوٹھی تھی جسکی تاثیر سے تمام جن اور انسان انکے تابع تھے، ایک دفعہ ایک شیطان نے اسکو کسی طرح اڑا لیا، حضرت سلیمان کی سلطنت اور شان شوکت سب جاتی رہی، یہانتک کہ مچھلیاں بیچکر زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ صاحب کہتے ہیں کہ جس انگوٹھی پر کبھی کبھی شیطان کا قبضہ ہو جاتا ہو، میں اسکو کوڑی کے مول بھی نہیں خریدتا،

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم ٭ گر بہ آب چشمۂ خورشید دامن تر کنم
بہ خرمن دو جہان سر فرو نمی آرند ٭ دماغ کبر گدایان خوشہ چینان بین
ما ملک عافیت نہ بہ لشکر گرفتہ ایم ٭ ما تخت سلطنت نہ بہ بازو کشادہ ایم

لیاقت جبتک نہ ہو بڑوں کی برابری نہیں کرنا چاہیئے،

تکیہ بر جائے بزرگان نتوان زد بگزاف ٭ مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

ذاتی لیاقت درکار ہے، خاندانی شرف کافی نہیں،

تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما + درخود از گوہر جمشید و فریدون باشی

تحصیل مقصد کے لئے کوشش درکار ہے،

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجان شرط اول قدم آن ست کہ مجنون باشی

ترغیب عمل،

اے دل بہ کوی عشق گذاری نمی کنی اسباب جمع داری و کارے نمی کنی +

چوگان بدست داری و گوئی نمی زنی بازے چنین بدست و شکارے نمی کنی

علما اور واعظین کی پردہ دری | اخلاقی تعلیم اس بات پر موقوف ہے کہ شاعر فطرت انسانی کا نکتہ شناس ہو جو عیب اور برائیاں کھلی کھلی ہوتی ہیں، انکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے لیکن دقیق، مخفی، اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی، اسلئے جو شاعر فلسفہ اخلاق کی تعلیم دینا چاہتا ہے، اسکے لئے فطرت کا نکتہ شناس ہونا سب سے پہلی شرط ہے، اسکے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ لطیف اور دل آویز طریقہ سے یہ عیوب ظاہر کئے جائیں، تاکہ لوگو نکو گران نہ گذریں بلکہ خود انکو انکے سننے میں لطف آئے، مخفی اور دقیق عیوب جس قدر علما میں اور واعظین اور زہاد میں پائے جاتے ہیں کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسکو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، لیکن چونکہ یہ فرقہ ہمیشہ با اقتدار رہا ہے اسلئے انکے عیوب کا ظاہر کرنا آسان بات نہیں، امام غزالی نے اسکا جو نتیجہ اٹھایا، یہ تھا کہ ان کی جان تک معرض خطر میں آگئی، اسلئے کسی کو ہمت نہوئی، شعراء میں سب سے پہلے خیام نے یہ جرأت کی اسکے بعد شیخ سعدی نے دبی زبان سے کچھ کچھ کہا، مثلاً۔

محتسب در قفاے رندان است غافل از صوفیان شاہد باز

برون نمی رود از خانقہ یکے ہشیار کہ تا بہ شحنہ بگوید کہ صوفیان مستند

گر کند میل بہ خوبان دل من خردہ مگیر کین گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن جس دلیری، آزادی اور بے باکی سے خواجہ صاحب نے اس فرض کو ادا کیا آجتک کسی سے نہو سکا

واعظان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند چون بہ خلوت می روند آن کار دیگر می کنند

مشکلے دارم ز دانشمند محفل بازپرس توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر می کنند

گوئیا باور نمی دارند روز داورے کین ہمہ قلب و دغا در کار داور می کنند

(حاشیہ: داورے = قیامت؛ قلب = کھوٹ؛ داور = خدا)

دی دو بتیم چہ خوش آمد کہ سحر گہ میگفت | بر در میکدہ با دف و نے ترسائے
گر مسلمانی این است کہ حافظ وارد | وای اگر در پس امروز بود فردائے

یعنی کل شراب خانہ کے دروازہ پر ایک عیسائی دف بجا کر یہ گاتا تھا کہ اگر سلام اسی کا نام ہے جو حافظ میں پایا جاتا ہی تو آج کے بعد اگر کل قیامت کا دن بھی آنے والا ہی، تو ہائے،،

اس شعر کا پیرایہ بیان بھی کس قدر بلیغ ہی، اول تو جو کہنا ہے اسکو ایک عیسائی کی زبان سے کہا ہے جس سے علاوہ احتیاط کے مقصود یہ ہی کہ غیروں کو بھی ان بداعمالیوں پر افسوس اور رحم آتا ہی گانے اور بجانے کے شامل کرنے سے یہ غرض ہی کہ اس ذریعہ سے لوگ زیادہ جی لگا کر سنتے تھے اور زیادہ تشہیر ہوتی تھی، اپنا نام لینے سے علاوہ احتیاط کے یہ مقصد ہی کہ دوسرونکا عیب کہتے تو انکو توجہ نہوتی،

سب سے بڑا عیب مولویوں اور واعظوں میں ریاکاری کا ہوتا ہی اسلئے نہایت دلیری سے انکی برائیاں بیان کی ہیں

گرچہ بر واعظ شہر این سخن آسان نشود | تا ریا ورزد و سالوس، مسلمان نشود

یعنی گو واعظ کو یہ بات گران گذریگی، لیکن ہی یہ کہ جب تک وہ ریا کرتا رہیگا، مسلمان نہیں ہو سکتا،

غلام ہمت دُرد کشان یکرنگم | نہ آن گروہ کہ ازرق لباس دل سیہ اند
بادہ نوشی کہ درو ہیچ ریائے نبود | بہتر از زہد فروشی کہ درو روی و ریاست
من از پیر مغان دیدم کرامتہائے مردانہ | کہ این دلق ریائی را بجامی برنمی گیرد
می خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب | بہتر ز طاعتے کہ بروی و ریا کنند
ترسم کہ صرفۂ نبرد روز باز خواست | نان حلال شیخ ز آب حرام ما
بیا بمیکدہ و چہرہ ارغوانی کن، | مرو بصومعہ کانجا سیاہ کارانند
نقد ہا را بود آیا کہ عیارے گیرند | تا ہمہ صومعہ داران پے کارے گیرند

یعنی اگر سکے پرکھے جاتے تو سب خانقاہ نشین اپنا اپنا راستہ لیتے،

مولویوں اور واعظوں کو اسمیں بڑا کمال ہوتا ہی کہ تقدس کے پردہ میں اسطرح برائیاں کرتے ہیں کہ کسی کو انکی نسبت گمان بھی نہیں ہو سکتا، خواجہ صاحب نے اس نکتہ کو اس لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہی،

اے دل طریق مستی از محتسب بیاموز | مست ست و در حق او کس این گمان ندارد
خرقہ پوشان ہمگی مست گذشتند و گذشت[۱] | قصۂ ماست کہ در کوچہ و بازار بماند

۱ یعنی گئی گذری بات ہوئی،

صوفیان واستدند از گرو می ہمہ رخت   دلق ما بود کہ در خانۂ خمار بماند

یعنی صوفیوں نے اپنا خرقہ شراب کی عوض مین رہن بھی کیا اور واپس بھی لے لیا کسی کو کانون کان خبر بھی نہوئی، ہم رند، یوں رسوا ہوئے کہ ہمارا خرقہ پڑا رہ گیا،

داشتم دلقے و صد عیب مرا می پوشید   خرقہ رہن مے و مطرب شد و زنار بماند

عیب چھپانے کی ایک بڑی گہری چال یہ ہی کہ کوئی اور شخص اگر وہ عیب کرتا ہوا نظر آئے تو نہایت سختی سے اسپر دار و گیر کیجائے، اس راز کو خواجہ صاحب اس طرح فاش کرتے ہیں،

بادہ با محتسب شہر نہ نوشی زنہار   کہ خورد با تو می و سنگ بہ جام اندازد

یعنی محتسب کے ساتھ کبھی شراب نہ پینا، وہ تمہارے ساتھ شراب بھی پیئے گا اور تمہارا پیالہ بھی توڑ ڈالیگا،

مولویوں اور واعظوں میں یہ ریاکاری علانیہ نظر آتی ہی اور مذہبی گروہ بھی اسکے اثر سے خالی نہیں ہوتے، اس بنا پر خواجہ صاحب فرماتے ہیں،

می خورکہ شیخ و حافظ و قاضی و محتسب   چون نیک بنگری ہمہ تزویر میکنند

صوفیان جملہ حریف اند و نظر باز و لے   زان ہمہ حافظ سودا زدہ بدنام افتاد

علما کے اوصاف اور اخلاق پر خوب غور کرو، تو نظر آئیگا کہ عوام کی عقیدت مندی اور نیازمندی کی وجہ سے انمیں نہایت عجب اور غرور پیدا ہو جاتا ہی، اور اس وصف کو اسلئے ترقی ہوتی جاتی ہی کہ ان کو یہ باتیں مذہبی پیرایہ میں نظر آتی ہیں، وہ کسی کو برا کہتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ امر بالمعروف کی تعمیل ہے، سلاطین اور حکام کی دربارداری کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ احکام شرعی کے اجرا کے لئے اسکی ضرورت ہی کسی سے ذاتی عناد کی وجہ سے دشمنی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بغض للہ ہی، غرور اور فخر کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ عزت نفس یہی ہی اس بنا پر یہ تمام عیوب ان میں راسخ ہو جاتے ہیں خواجہ صاحب ان تمام عیبوں کی نہایت بلیغ اور لطیف پیرایوں میں پردہ دری کرتے ہیں،

گر از پردہ برون شد دل من عیب مکن   شکر ایزد کہ نہ در پردۂ پندار بماند

در راہ ما شکستہ دلی می خرند و بس   بازار خود فروشی ازان راہ دیگر ست

یعنی ہمارے بازار میں صرف خاکساری کی قیمت ہی، باقی خود پرستی تو اسکا راستہ دوسری طرف سے نکلا ہی،

زاہد شہر چو مہر ملک و شحنہ گزند   من ہم از مہر نگارے بگزینم چہ شود

یعنی جب زاہد نے بادشاہ پرستی اختیار کی، تو پھر بھی اگر کسی خوشرو سے دل لگائیں توکیا ہرج ہے، یعنی بادشاہ پرستی سے شاہد پرستی بہتر ہے،

اخفای حق

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو　　　　نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

علما کی عام حالت یہ ہے کہ امر حق کو عوام کی خاطر سے کبھی ظاہر نہین کرتے بلکہ اگر اسمین کوئی برائی کا پہلو ہے تو صرف اسی پر زور دیتے ہیں، آجکل مغربی تعلیم قوم کیلئے کس قدر ضروری اور گویا شرط زندگی ہے لیکن صرف اس وجہ سے کہ عوام اس سے وحشت کرتے ہیں کبھی کوئی عالم اسکی ترغیب نہین دیسکتا بلکہ ہمیشہ اسکی مخالفت کی جاتی ہے خواجہ صاحب نے نہایت موثر طریقے سے اس عیب پر ملامت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ عوام کی خاطر سے حکمت اور حقیقت سے انکار کرو۔ شراب میں فائدہ بھی ہے اور نقصان بھی اور نقصان فائدہ سے زیادہ ہے تاہم خدا نے قرآن مجید مین فرمایا فیہما اثم کبیر و منافع للناس واثمہما اکبر من نفعہما۔ یعنی قمار اور شراب میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی لیکن نقصان زیادہ ہے جب خدا نے باوجود اسکے کہ شراب نہایت بری چیز ہے، اسکے فائدون کو چھپانا نہین چاہا، البتہ یہ بتا دیا کہ فائدہ سے نقصان زیادہ ہے، اور اسلئے اس سے پرہیز کرنا چاہیئے تو امر حق کو عوام کی خاطر سے چھپانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے،

خواجہ صاحب نے اس بات کو جا بجا نہایت بلیغ اور لطیف پیرایون میں ادا کیا ہے کہ مولویون اور واعظون کی نیکیان بھی چونکہ ذاتی غرض پر مبنی ہوتی ہیں، اسلئے درگاہ الٰہی میں مقبول ہونیکے قابل نہین

در می خانہ بہ بستند خدایا مپسند　　　　کہ در خانہ تزویر و ریا بکشایند

ترسم کہ صرفہ نبرد روز بازخواست　　　　نان حلال شیخ ز آب حرام ما

این خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولے　　　　وین دفتر بے معنی غرق مے ناب اولی

روزمرہ ومحاورہ

خواجہ صاحب کی فصاحت کلام کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ انکے ہان کلام میں روزمرہ اور محاورے نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، جو الفاظ اور ترکیبین رات دن استعمال میں آتے رہتے ہیں اور جن سے روزمرہ پیدا ہوتا ہے، عموماً وہی ہوتے ہیں جو فصیح، سلیس، نرم اور روان ہون، اور اگر ان مین کسی قدر کمی ہوتی ہے تو وہ روزمرہ کے استعمال سے نکلجاتی ہے، کیونکہ رات دن سنتے سنتے وہ الفاظ کانوں کو مانوس ہو جاتے ہیں، محاورات کا بھی یہی حال ہے، محاورہ اسوقت بنتا ہے جب ایک

گروہ کا گروہ کسی جملہ کو کسی خاص معنی میں استعمال کرتا ہے، اس لئے ضرور ہے کہ یہ جملہ خود فصیح سلیس اور رواں ہو، ورنہ تحاور عام میں نہیں آسکتا،

ایک اور پہلو سے اس خصوصیت پر نظر ڈالو، فارسی زبان میں مفرد الفاظ بہ نسبت اور زبانوں کے نہایت کم ہیں، اس کمی کی تلافی زبان نے محاورات اور مصطلحات سے کی، شاعری کے لئے زبان پر قدرت تام حاصل ہونا سب سے ضروری شرط ہے، خواجہ صاحب کی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ انھوں نے جس قدر محاورات اور مصطلحات برتے، فارسی شعرا میں سے غالباً کسی نے نہیں برتے اور یہ انکی قادر الکلامی کی ایک بڑی دلیل ہے،

خواجہ صاحب کا تمام کلام اگرچہ روزمرہ محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے، لیکن مثال کے طور پر ہم چند اشعار نقل کرتے ہیں [۱]،

ترسم که صرفه نبرد روز بازخواست ٭ نان حلال شیخ ز آب حرام ما

صلاح کار کجا و من خراب کجا ٭ ببین تفاوت ره از کجاست تا به کجا

عنقا شکار کس نشود دام بازچین ٭ کین جا همیشه باد بدست است دام را

ای صبا گر به جوانان چمن باز رسی ٭ خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

ترسم آن قوم که بر دردکشان می خندند ٭ در سر کار خرابات کنند ایمان را

برو به کار خود ای واعظ این چه فریاد است ٭ مرا فتاده دل از کف ترا چه افتاده است

روی خوب است و کمال هنر و دامن پاک ٭ لاجرم همت مردان دو عالم با اوست

هر چه هست از قامت ناساز بی اندام ماست ٭ ورنه تشریف تو بر بالای کس کوتاه نیست

بنده پیر خراباتم که لطفش دائم است ٭ ورنه لطف شیخ و زاهد گاه هست و گاه نیست

دانا چو دید بازی این چرخ حقه باز ٭ هنگامه بازچید و در گفتگو ببست

در راه ما شکسته دلی می خرند و بس ٭ بازار خودفروشی ازان راه دیگر است

اگرچه باده فرح بخش و باد گلبیز است ٭ به بانگ چنگ مخور می که محتسب تیز است

[۱] جو محاورات ان اشعار میں آئے ہیں انکے معنی ہم یکجائی لکھ دیتے ہیں، صرفہ بردن بازی لیجانا، دام بازچیدن، جال کو سمیٹ لینا، باد بدست بودن کچھ ہاتھ نہ آنا، خدمت رسانیدن سلام، در سر کار چیزے کردن، صرف کر دینا یا لگا دینا، ترا چہ افتادہ است، تم کو کیا پڑی ہے، ہمت توجہ اور ہمدردی، بے اندام بے ڈول، ازان راہ دیگر است یعنی اسکا اور راستہ ہے، تیز چہلا اور غصہ ور،

می خواست گل که دم زند از رنگ بوی دوست — از غیرت صبا نفسش در دهان گرفت

آسوده بر کنار چو پرکار می شدم — دوران چو نقطه عاقبتم در میان گرفت

فرصت نگر که فتنه در عالم فتاد — عارف به جام می زد و از غم کران گرفت

حافظ چو آب لطف ز نظم تو می چکید — غیری چگونه نکته تواند بران گرفت

مستم کن آنچنان که ندانم ز بیخودی — در عرصهٔ خیال که آمد کدام رفت

در حق من لبت آن لطف که می فرماید — سخت خوب است ولیکن قدری بهتر ازین

بهای همتم عمری ست کز جان — هوای آن قد و بالا گرفت است

دلم جز مهر مه رویان طریقی بر نمی گیرد — ز هر در می دهم پندش ولیکن در نمی گیرد

رخ و سینه بدین خوبی تو گوئی دل ازو برگیر — برو کین وعظ بی معنی مرا در سر نمی گیرد

میان گریه می خندم که چون شمع اندرین مجلس — زبان آتشینم هست لیکن در نمی گیرد

بدین شعر تر شیرین ز شاهنشه عجب دارم — که سر تا پای حافظ را چرا در زر نمی گیرد

یا وفا یا خبر وصل تو یا مرگ رقیب — بازی چرخ ازین یکدو سه کاری بکند

نقدها را بود آیا که عیاری گیرند — تا همه صومعه داران پی کاری گیرند

خرقه پوشان همگی مست گذشتند و گذشت — قصهٔ ماست که در کوچه و بازار بماند

مطرب عشق عجب ساز و نوائی دارد — نقش هر پرده که زد راه بجائی دارد

از راه نظر مرغ دلم گشت هواگیر — ای دیده نظر کن که به دام که درافتاد

بس تجربه کردیم درین دیر مکافات — با دردکشان هر که درافتاد برافتاد

چه مستی است ندانم که رو به ما آورد — که بود ساقی؟ و این باده از کجا آورد

رسیدن گل و نسرین به خیر و خوبی باد — بنفشه شاد و خوش آمد سمن صفا آورد

از دیده خون دل همه بر روی ما رود — بر روی ما ز دیده ندانم چها رود

دم زدن دعویٰ کرنا نفس در دهان گرفتن دم گھٹنا در میان گرفتن گھیر لینا بر کسی چیزی پر ٹوٹ کر گرنا نکته گرفتن اعتراض کرنا ہوا گرفتن ہوا میں اڑنا در گرفتن اثر کرنا یا آگ لگ جانا در زر گرفتن سونے میں تلوا دینا اپنے کار سے گرفتن کسی کام کے پیچھے پڑنا لیکن ایسے موقع پر اپنا راستہ لینا کے معنے میں آتا ہے گذشت گئی گذری بات ہوئی راه بجائی دارد اصول اور قاعدہ کے موافق ہے درافتادن الجھنا صفا آوردن خیر مقدم کے لئے کہتے ہیں چها رود کیسے گذریگی شاد شدن خوش ہونا یعنی اسکے اثر ہیں یہ فلان بخشیدن اسکے صدقہ میں رحمت کسے بر داشتن کسی کو ستانا

آن شد ای خواجہ کہ در صومعہ باز م بینی | کار ما بارخ ساقی و لب جام افتاد
رطل گرانم دہ اے مرید خرابات | شادے شیخی کہ خانقاہ نہ دارد
شراب و عیش نہان چیست کار بے بنیاد | زدیم بر صف رندان و ہرچہ بادا باد
یارب بوقت گل گنہ بندہ عفو کن | وین ماجرا بہ سرو لب جو بہار بخش
حاشا کہ من بہ موسم گل ترک مے کنم | من لاف عقل میزنم این کار کے کنم
ای مگس عرصہ سیمرغ نہ جولانگہ تست | عرض خود می بری و زحمت ما می داری
دردمندان بلا زہر ہلاہل نوشند | قتل این قوم خطا باشد، ہان[1] تا نہ کنی

اکثر محاورے ایسے ہیں جو صرف بول چال اور بے تکلفی میں استعمال ہوتے ہیں اہل قلم یہ سمجھکر کہ وہ متانت کے خلاف ہیں، تصنیفات میں استعمال نہیں کرتے، مثلاً اردو میں یہ محاورات وہ جاوے بھی رہنے بھی دیجئے دیکھ لیا، وغیرہ وغیرہ روزمرہ استعمال میں آتے ہیں لیکن ناسخ، خواجہ درد سودا وغیرہ انکو نظم متانت کے خلاف سمجھتے ہیں، لیکن اس سے زبان کی وسعت گھٹتی ہے اسلیئے جن شعرا کو زبان کا خیال زیادہ ہے مثلاً داغ وغیرہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یہ تمام محاورات لاتے ہیں، فارسی میں روزمرہ اور محاورہ کو خواجہ صاحب نے وسعت دی، انکے کلام میں ایسے بہت سے محاورات ملیں گے جو کسی اور کے کلام میں نہیں مل سکتے یہانتک کہ بول چال کے لحاظ سے وہ محاورات بھی خواجہ صاحب نے لے لئے ہیں جو خاص لہجہ کے محتاج ہیں اور بغیر اس لہجہ کے سمجھ میں نہیں آسکتے، مثلاً،

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق | گفتم ای خواجہ غافل! ہنرے بہتر ازین

ہنرے بہتر ازین، کو ایک خاص لہجہ سے پڑھنا چاہیئے، جس سے استفہام کے معنے پیدا ہوں یعنی کیا اس سے بڑھکر کوئی اور ہنر ہوگا، یا مثلاً یہ شعر ع

کنار و بوسہ و وصلش چگویم چون نخواہد شد،

یعنی جب یہ ہونا نہیں ہے تو اسکا ذکر کیا کروں، اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں،

خوش نوائی صاحب ذوق صاف محسوس کرتا ہے کہ خواجہ صاحب کے کلام میں ایک خاص قسم کی خوشگواری پائی جاتی ہے، شاعری میں موسیقی بھی شامل ہے، اسلئے جو شعر موسیقی اور خوش نوائی سے الگ ہوگا شاعری کے رتبے سے گھٹا ہوگا، خواجہ صاحب کے کلام میں یہ وصف مختلف اسباب سے پیدا ہوتا ہے، اکثر وہ غزلوں کی

[1] ہان تا نہ کنی، دیکھو ایسا کبھی نکرنا،

ایسی رکھتے ہیں جو موسیقی سے مناسبت رکھتی ہیں شعر و نظم ارکان اور انکے ٹکڑے ایسے لاتے ہیں جو تال اور سم کا کام دیتے ہیں
اس غرض کیلیے اکثر ہموزن الفاظ کا پے درپے آنا مدد دیتا ہی اور گویا یہ معلوم ہوتا ہی کہ بار بار تان آکر ٹوٹتی ہی مثلاً،

چو در دست ست تار و بخوش مطرب سرود خوش — کہ دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم
یکے از عقل می لافد دگر طامات مے بافد — بیا کین داوری ہا را بہ پیش داور اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم
شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم — نسیم عطر گردان را شکر در مجمر اندازیم
سرو روان من چرا میل وطن نمے کند — ہمدم گل نمی شود یاد وطن نمے کند
دردم از یار است و درمان نیز ہم — دل فدائے او شد و جان نیز ہم
گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت — ور ز ہندوی شما بر من جفائے رفت رفت

ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ کے قابل ہی، قدما کے کلام میں صنائع لفظی یعنے صنعت اشتقاق ترصیع، ایہام نہایت کثرت سے پائے جاتے ہیں، مراعات النظیر کو (تناسب لفظی) جو حد سے گذر کر ضلع جگت بن جاتی ہی سلمان ساوجی نے رواج دیا اور کچھ زمانہ تک بڑے زور و شور سے جاری رہی، ان صنعتوں کو عموماً شعرا نے محض صنعت کی حیثیت سے استعمال کیا یعنی اس لحاظ سے کہ اسکا التزام وقت آفرینی ہی اور وقت آفرینی ایک کمال کی بات ہی، اس عام رو سے خواجہ صاحب بھی نہ بچ سکے، چنانچہ مراعات النظیر اور ایہام و طباق انکے یہاں بھی جا بجا پائے جاتے ہیں، مثلاً،

تا دل ہرزہ گرد من رفت بہ چین زلف او — زان سفر دراز خود قصد وطن نمی کند
سخا نماند سخن طے کنم شراب کجاست — بدہ بہ شادی روح روان حاتم طے

ع نان حلال شیخ ز آب حرام ما

لیکن خواجہ صاحب نے زیادہ تر ان لفظی صنعتوں کو لیا ہی جنسے خوش آہنگی اور خوشنوائی پیدا ہوتی ہے، مثلاً،

این کہ می گویند آن بہتر ز حسن — یار ما این دارد و آن نیز ہم

اس شعر میں این و آن کا جو مقابلہ ہی اسکو ایک سطحی النظر یہ خیال کریگا کہ مراعات النظیر یا صنعت اضداد ہی لیکن ایک صاحب ذوق سمجھ سکتا ہی کہ ان دو لفظوں کی آواز کا تناسب ایسا ہی جو خود بخود کانوں کو خوش معلوم ہوتا ہی اور موسیقی کی حیثیت سے دیکھیں تو گویا گیت کے اجزا ہیں، مثلاً،

قاصد حضرت سلمےٰ کہ سلامت بادا — چہ شود گر بہ سلامے دل ما شاد کند

اسمیں سلمیٰ سلامت اور سلام جو ملتے جلتے الفاظ آئے ہیں انسے عام آدمی کو صنعت اشتقاق کا خیال پیدا ہوگا، لیکن اصل مین یہ تناسب الفاظ ذرا ذرا سے فاصلہ پر بار بار آکر کانونکو خوش آیند معلوم ہوتے ہین مثلاً

اے صبا گر بہ جوانان چمن باز رسی — خدمت از ما برسان سرو و گل و ریحان را

اس شعر میں سرو گل و ریحان جو الفاظ آئے ہیں، عام لوگ اسکا نام مراعات النظیر یا صنعت اعداد وغیرہ رکھینگے لیکن اس شعر کی بحر اور اسمین خاص ان متناسب الوزن الفاظ کا اخیر میں آنا ایک خوشنوائی پیدا کرتا ہی جو دوسری صورت میں ممکن نہ تھی حالانکہ یہ ممکن تھا کہ وہ صنعتین باقی رہتیں،

خواجہ صاحب کے کلام میں جہاں اس قسم کی صنعتین نظر آئین غور سے دیکھو تو انمین دراصل خوشنوائی اور خوش آہنگی کا وصف ملحوظ ہوتا ہی، ملاحظہ ہو،

اعتمادے نیست بر دور جہان — بلکہ بر گردون گردان نیز ہم

از بہر بوسۂ لبش جان ہمی دہم — اینم ہمی ستاند و آنم نمی دہد

شیوۂ ناز تو شیرین خط و خال تو ملیح، — چشم و ابروی تو زیبا قد و بالای تو خوش

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

گر ز دست زلف مشکینت خطای رفت رفت — ور ز ہندوی شما بر من جفای رفت رفت

برق عشق از خرمن پشمینہ پوشی سوخت سوخت — جور شاہ کامران گر بر گدائے رفت رفت

غور کرو ان اشعار میں جہان جہان مکرر الفاظ آئے ہیں کس قدر کانون کو خوش معلوم ہوتے ہیں ظاہر بین اسکو صنعت تکرار کہدیگا، لیکن کیا ہر جگہ کسی لفظ کا مکرر آنا کوئی لطف پیدا کرتا ہی،

کاروان رفت و تو در خواب و بیابان در پیش — کے روی؟ رہ ز کہ پرسی؟ چہ کنی؟ چون باشی؟

مصرع اخیر میں تمکو خیال ہوگا کہ اسکی خوبی صرف یہ ہی کہ پے درپے سوالات آئے ہیں جس سے صنعت استفہام پیدا ہوگئی ہی، لیکن اس سے قطع نظر کر کے دیکھو، یہ الفاظ کسطرح کانون کو ایک خاص متناسب کھٹکا دیتے ہیں، اور خوش آیند معلوم ہوتے ہیں،

خدا را چی اسے منعم کہ درویش سر کویت — در دیگر نمی داند رہ دیگر نمی گیرد

بندش کی چستی | بندش کی چستی ایک وجدانی چیز ہے اسکی تعریف اور تحدید نہیں ہو سکتی لیکن مذاق

۵۳

صحیح آسانی سے اسکو احساس کرتا ہی، مثلاً ان اشعار میں باوجود اتحاد مضمون اور الفاظ کی بندش کی چستی کا جو فرق ہی ہر شخص محسوس کر سکتا ہے،

سلیم — مشاطہ را جمال تو دیوانہ مے کند — کائینہ را خیال پری خانہ مے کند

صائب — دل را نگاہ گرم تو دیوانہ مے کند — آئینہ را رخ تو پری خانہ مے کند

غنی — ہر کس کہ دید روی تو دیوانہ میشود — آئینہ از رخ تو پری خانہ میشود

صائب — سرچشمۂ حیات لب می چکان اوست — عمر دوبارہ سایۂ سرو روان اوست

فطرت — عیش ابد بہ کام دل دردمند تست — عمر دوبارہ سایۂ سرو بلند تست

صائب — ہمیشہ صاحب طول امل غمین باشد — کہ چین نقدر بلندی در آستین باشد

بیدل — دستگاہ ہست ہر قدر بیش ہست کلفت بیشتر — در خور طول ہست چین جای کہ دارد آستین

خواجہ صاحب جیسا کہ خود انھوں نے متعدد موقعوں پر تصریح کی ہی سلمان اور خواجو کی غزلوں پر غزلیں لکھتے ہیں ان غزلوں کے مقابلہ کرنے سے بندش کے زور اور چستی کا فرق صاف نظر آجاتا ہی،

سلمان — ہمچنان مہر توام مونس جان ہست کہ بود — گوہر مخزن اسرار ہمان ہست کہ بود

ہمچنان ذکر توام ورد زبان ہست کہ بود — حقۂ مہر بدان مہر و نشان ہست کہ بود — خواجہ

"مونس جان" کے قافیہ کے جواب میں خواجہ صاحب کا شعر ہے،

سلمان — از صبا پرس کہ ما را ہمہ شب تا دم صبح — بوی زلف تو ہمان مونس جان ہست کہ بود

شوقم افزون شد و آرام کم و صبر نماند — عاشقان بندۂ ارباب امانت باشند — خواجہ

در فراق تو وصے عہد ہمان ہست کہ بود — لاجرم چشم گہربار ہمان ہست کہ بود

اس شعر میں سلمان کی بندش کی سستی صاف ظاہر ہے "در فراق تو" کا موقع پہلے مصرع کے ابتدا میں ہی، وہاں سے الگ ہو کر وصے کے ساتھ اسکی ترکیب بالکل بے مزہ ہو گئی ہے،

کے بود کہ بگویند سراسر اغیار — طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید

سلمان — کہ فلان یار ہمان یار فلان ہست کہ بود — ہمچنان در عمل معدن و کان ہست کہ بود

در ازل عکس می لعل تو در جام افتاد — عکس روی تو چو در آئینۂ جام افتاد — خواجہ

عاشق سوختہ دل در طمع خام افتاد — عارف از پرتو می در طمع خام افتاد

جام کے قافیہ میں حافظ کے اور اشعار ملاحظہ ہوں،

آن شدای خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی — کار من بارخ ساقی و لب جام افتاد

عشق بر کشتن عشاق دل سے کرد — صوفیان جملہ حریف اند و نظر باز دلے

سلمان: اولین قرعہ کہ زد بر من بدنام افتاد — حافظ: زان میان حافظ سودا زدہ بدنام افتاد

خال مشکین تو در عارض گندم گون دید — در خم زلف تو آویخت دل از چاہ زنخ

آدم آمد زپے دانہ و در دام افتاد — آہ کز چاہ برون آمد و در دام افتاد

ان اخیر کے دونوں شعروں کے مقابلہ سے بندش کی چستی کا مفہوم تم کو علانیہ واضح ہوجائیگا سلمان کا شعر اگرچہ معنی کے لحاظ سے بالکل ناموزون ہے چہرہ کو دام سے کوئی مناسبت نہیں بخلاف اسکے خواجہ صاحب نے ذقن کو چاہ اور زلف کو دام کہا ہے اور یہ عام مسلمہ تشبیہ ہے لیکن سلمان کے شعر میں بندش کی جو چستی ہے، خواجہ صاحب کے شعر میں نہیں مصرع آدم آمد زپے دانہ و در دام افتاد آدم، دانہ، دام یہ الفاظ ایسی ترتیب اور خوبصورتی اور روانی سے جمع ہوگئے ہیں کہ مصرع میں نہایت چستگی پیدا ہوگئی ہے خواجہ صاحب کا مصرع پھس پھسا ہے، اور خصوصاً آہ کے لفظ نے مصرع کو بالکل کمزور کر دیا

سلمان: دام زلف تو بہر حلقہ طنابے دارد — حافظ: آن کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد

چشم مست تو بہر گوشہ خرابے دارد — باز با دل شدگان ناز و عتابے دارد

خون چشم من ازان ریخت کہ تا طعنہ برم — چشم من کرد بہر گوشہ روان سیل سرشک

کہ بہ پش مردم صاحب نظر آبے دارد — تا سہی سرو ترا تازہ بہ آبے دارد

رسن زلف تو سر رشتہ جان من و شمع — ماہ خورشید نمایش ز پس پردہ زلف

ہر یک از آتش رخسار تو تابے دارد — آفتابے ہست کہ در پیش سحابے دارد

آن کہ زابرو و مژہ تیر و کمانے دارد — شاہد آن نیست کہ موئے و میانے دارد

چشم ما کردہ سیہ قصہ جہانے دارد — بندۂ طلعت آن باش کہ آنے دارد

ان مقابلوں سے بندش کی چستی اور زور کا مفہوم اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آگیا ہوگا اب خواجہ صاحب کے اشعار ذیل کو اس نظر سے دیکھو،

آن شمع سر گرفتہ دگر چہرہ بر فروخت — وان پیر سالخوردہ جوانی ز سر گرفت

آن عشوہ داد عشق کہ مفتی زرہ برفت ۔ وان لطف کرد دوست کہ دشمن حذر گرفت

زنہار زان عبارت شیرین و دل فریب ۔ گوئی کہ پستۂ تو سخن در شکر گرفت

من ایستادہ تا کنمش جان فدا چو شمع ۔ او خود گذر بمن چو نسیم سحر نکرد

ماہی و مرغ دوش نخفت از فغان من ۔ وان شوخ دیدہ بین کہ سر از خواب بر نکرد

بالا بلند عشوہ گر سرو ناز من ۔ کوتاہ کرد قصۂ زہد دراز من

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست ۔ وندران آئینہ صد گونہ تماشا می کرد

گفتم این جام جہان بین تبو کے داد حکیم ۔ گفت آن روز کہ این گنبد مینا می کرد

زلفین سیہ خم بہ خم اندر زدہ باز ۔ بخت من شوریدہ بہم بر زدہ باز

بر شیشۂ صبرم زدہ سنگ ولیکن ۔ با تو چہ توان گفت کہ ساغر زدہ باز

ہمارے نزدیک حسن کلام کا بڑا جوہر یہی حسن بندش ہے،

جاحظ کا قول ہے کہ مضمون بازاریوں تک کو سوجھتے ہیں، جو کچھ فرق اور امتیاز ہے، لطف ادا اور بندش کا ہے، سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ ایک مضمون کسی شاعر نے باندھا بعینہ وہی مضمون دوسرے نے باندھا، الفاظ تک اکثر مشترک ہیں لیکن لفظوں کے الٹ پلٹ اور ترتیب سے وہی مضمون کہاں سے کہاں پہنچ گیا،

شوخی و ظرافت | خواجہ صاحب کے کلام میں جا بجا شوخی اور ظرافت بھی ہے لیکن نہایت لطیف اور نازک ہے، شیخ سعدی اور خیام بھی ظرافت کرتے ہیں، لیکن زیادہ کھل جاتے ہیں، خواجہ صاحب کی شوخی طبع کی لطافت کو دیکھو

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند ۔ قول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست

یعنی واعظ کو لوگ فرشتہ کہتے ہیں، اسقدر تو ہمکو بھی تسلیم ہے کہ وہ آدمی نہیں ہے (باقی فرشتہ ہے یا شیطان اسکا فیصلہ ہوتا رہیگا)

بکوی می فروشانش بجامے درنمی گیرند ۔ زہی سجادۂ تقوی کہ یک ساغر نمی ارزد

گر ز مسجد بخرابات شدم عیب مگیر ۔ مجلس وعظ دراز است و زمان خواہد شد

یعنی میں اگر مسجد سے اٹھکر شراب خانہ میں چلا گیا تو اعتراض کی کیا بات ہے، وعظ تو ابھی دیر تک ہوتا رہیگا، میں پی کے چلا آونگا، (اسی مضمون کو قائم نے اردو میں ادا کیا ہے،

مجلس وعظ تو تا دیر رہے گی قائم ۔ یہ ہے میخانہ ابھی پی کے چلے آتے ہیں

حافظ — محتسب خم شکست و بنده سرش — سن بالسن والجروح قصاص

قرآن مجید میں قصاص کی آیت میں مذکور ہی کہ زخم کا بدلا زخم ہی، مثلاً اگر کوئی کسی کا دانت توڑ ڈالے تو اسکا بھی دانت توڑ ڈالا جائیگا،

خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ محتسب نے خم شراب کو توڑ ڈالا تھا، میں نے قصاص کے حکم کے موافق اسکا سر توڑ دیا

پدرم روضۂ رضوان بدو گندم بہ فروخت — ناخلف باشم اگر من بجوی نفروشم

میرے باپ (حضرت آدم) نے بہشت کو گیہوں کے بدلہ میں بیچ ڈالا تھا، میں اگر ایک جو کے بدلہ میں نہ بیچوں تو ناخلف ہوں،

من وانکار شراب این چہ حکایت باشد — غالباً این قدرم عقل کفایت باشد

میں اور شراب کا انکار! غالباً مجھے تو اتنی ہی عقل کافی ہی یعنی یہ سمجھ لوں کہ شراب چھوڑنا مجھکو زیبا نہیں، اس سے زیادہ عاقل اور دور اندیش ہونا مجھکو ضرور نہیں،

نہ زبے عملی درجہان ملولم و بس — ملامت علما ہم ز علم بے عمل است

میں بیکاری سے (یعنی شراب وغیرہ کا مشغلہ نہیں ہی) دل گرفتہ ہوں بے عمل ہونا برا ہے اسی لئے عالم بے عمل بھی اچھا نہیں ہوتا،

نقد دے کہ بود مرا صرف بادہ شد — قلب سیاہ بود بہ جائے حرام رفت

قلب دل کو بھی کہتے ہیں اور کھوٹے سکہ کو بھی، اس بنا پر کہتے ہیں کہ میرا قلب اگر شراب میں صرف ہوا تو ہونا ہی چاہیے تھا، مال حرام بود بجائے حرام رفت،

تسلسل مضامین — ایشیائی غزل گوئی کا ایک بڑا عیب یہ بیان کیا جاتا ہی کہ کسی خیال کو مسلسل نہیں ظاہر کر سکتے، ہر غزل متعدد اور مختلف بلکہ متناقض مضامین کا مجموعہ ہوتی ہے، غزل کے جو مہمات بیان ہیں مثلاً حسن عشق سراپائے معشوق، وصل ہجر، ہزاروں دفعہ بندھے ہیں لیکن انمیں سے کسی مضمون کی نسبت کوئی مسلسل اور تفصیلی بیان کہیں نہیں مل سکتا، اگرچہ حقیقت میں یہ چنداں اعتراض کی بات نہیں، مسلسل خیالات کے لئے مثنوی کی صنف متعین کر دی گئی ہی، قصائد اور قطعات سے بھی یہ کام لیا جاتا ہی، غزل اس ضرورت کے خاص کر دی گئی ہی کہ چھوٹے چھوٹے مفرد خیالات جو شاعر کے دل میں آتے رہتے ہیں ضائع نہ جانے پائیں اس صنف کے لئے نہایت قادر الکلامی درکار ہی

یورپ کو اپنی شاعری پر ناز ہے، لیکن وہ کسی خیال کو دو چار شعرون سے کم مین نہین ادا کر سکتے بخلاف اسکے ہمارے شعرا نہ صرف چھوٹی چھوٹی باتین بلکہ نہایت وسیع اور بڑے مضامین کو بھی ایک شعر مین ادا کر دیتے ہین، جو اختصار کی وجہ سے فوراً زبانون پر چڑھ جاتے ہین تاہم اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ بعض مضامین ایسے ہوتے ہین جو نہ اتنے بڑے ہوتے ہین کہ اُنکے لئے مثنوی یا قصائد کی وسعت درکار ہو، نہ اتنے مختصر کہ ایک دو شعرون مین سما جائین اسلئے اس قسم کے مضامین کیلئے غزلین ہی مناسب ہین اس صورت مین ضرور ہے کہ غزل مسلسل ہو یعنی پوری غزل یا غزل کے متعدد اشعار ایک ہی مضمون کیلئے خاص کر دئے جائین اس قسم کی غزل کا رواج اگرچہ عام نہین ہوا تاہم جستہ جستہ پائے جاتے ہین اور سب سے پہلے خواجہ صاحب نے اسکو ترقی دی انکی اکثر غزلون مین ایک خاص خیال یا ایک خاص سمان دکھایا گیا ہے اس قسم کی چند غزلون کے مطلع ہم نقل کرتے ہین،

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند   وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

بود آیا کہ در میکدہا بکشایند   گرہ از کار فروبستہ ما بکشایند

بامدادان کہ ز خلوت گہ کاخ ابداع   شمع خاور فگند بر ہمہ اطراف شعاع

ای پیک پی خجستہ چہ نامی فدیت لک   ہرگز سیاہ چردہ ندیدم بہ این نمک

گر ز دست زلف مشکینت خطائی رفت رفت   ور ز ہندوی شما بر من جفائی رفت رفت

کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود   بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود

(بہار کے ذکر مین ہے)

یاد باد آن کہ نہانت نظری با ما بود   رقم مہر تو بر چہرہ ما پیدا بود

پوری غزل مین پہلی دلچسپیون کو یاد دلایا ہے، اور ہر شعر یاد باد سے شروع ہوتا ہے،

خوشا شیراز و وضع بے مثالش   خداوندا نگہدار از زوالش

(شیراز کی تعریف مین ہے)

نسیم صبح سعادت بدان نشان کہ تو دانی   خبر بہ کوی فلان بر بدان زمان کہ تو دانی

(قاصد سے پیغام کہا ہے)

خلافت

مصنفہ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر

عمرو بن سعید - بانی خلافت بنی امیہ ۴ر

ابومسلم خراسانی - بانی خلافت عباسیہ ۴ر

سوانح ابوجعفر منصور
ابو دلامہ شاعر
محمد علی پاشا مصر
ان تینوں کے پورے حالات و سوانح

حالات اقوام کرد مصنفہ عبدالحلیم صاحب شرر اس قوم کی پوری لائف اور انکی خانگی معاشرت اور سلطنت عثمانیہ سے ان کے تعلقات اور انکی بہادری اور اس کے ساتھ ترکان آل عثمان کے حالات بھی درج ہیں قیمت ۴ر

گالیے خاں کی سرگذشت یہ کتاب اپنی حالات میں بالکل نئی ہے جنکو ظرافت کا شوق ہے وہ اس کتاب کو ضرور خریدیں اول سے آخر تک ظرافتوں سے لبریز ہے قیمت ۶ر

بزم آخر بہادر شاہ اور اکبر شاہ کی طرز معاشرت اور سوانح اجڑنے والے دلی شہر کی آخری بہار جس نے دیکھی اس کے کلیجے پر سانپ لوٹتا ہے مسلمانوں اور مغل امپائر کا چراغ جس کی آنکھ نے آخری وقت جھلملاتے دیکھا ہو اور اس کا گل ہونا بھی نظر سے گذرا ہو وہی اصلی رنج و الم سے بے اختیاری کے ساتھ دو آنسو بہا سکتا ہے قیمت مجلد ۱۰ر بلا جلد ۸ر

بیان خسرو مصنفہ مولانا شبلی رح قیمت فی جلد ۱۰ر

ازواج النبی جس میں جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات کے پورے حالات و سوانح درج ہیں حضرت خدیجہ رض حضرت سودہ رض حضرت عائشہ رض حضرت حفصہ رض حضرت زینب رض حضرت ام سلمہ رض حضرت زینب بنت جحش رض حضرت ام حبیبہ رض حضرت جویریہ رض حضرت میمونہ رض حضرت صفیہ رض کے جدا جدا حالات درج کئے گئے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں پر عیسائی اور دیگر معاندین اسلام اعتراض کیا کرتے ہیں اس کتاب میں ان اعتراضوں کا قطعی جواب دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ آپ پر نکاح کسی خاص ضرورت و مصلحت پر مبنی تھا اور ان نکاحوں کی غرض خدا ترسی یکجہتی و ترقی اسلام تھی نہ معاذ اللہ نفسانی خواہش بہر تقدیر یہ نہایت ضروری کتاب ہے جسے ہر مسلمان کے زنانخانہ میں ضرور رہنا چاہیئے قیمت ۱ر

سیرۃ النعمان

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رح کوفی کی سوانح عمری حصہ اول و دوم اس کتاب میں امام صاحب کا نام و نسب ولادت و سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث درس و افتاء بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات و عام حالات اخلاق و عادات مناظرہ ذہانت طباعی تفصیل سے مذکور ہے دوسرے حصہ میں امام صاحب کے اصول مسائل جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہے تفصیلی بحث ہے اور اسانید کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ فن حدیث میں آپ کا کیا پایہ تھا۔

قیمت فی جلد عہ

۱۰ ۲ ۲ ۱ ۷

حیات سعدی

یعنی سوانح عمری شیخ سعدی شیرازی مصنفہ مولینا شبلی نعمانی رح قیمت فی جلد ۸ر

عام درخواستیں بنام سید ظہور الحسن ... پریس دہلی ... آنا چاہئیں